۱۴ اگست ۱۹۵۲ء — نمبر ۱۹۲

اِس وطن میں رہے تا حشر مُقیم آزادی

پانچ سالوں سے وطن میں ہے مُقیم آزادی — ارمغانِ کرمِ ربِّ کریم تعالیٰ آزادی

قومی نغمہ ہے مرا "لا اکراہ فی الدّین" — چھیڑ گئی مُلک میں نغماتِ نعیم آزادی

آپ بُجھ جائینگے فتنوں کے بھڑکتے شعلے — جب گُلستاں میں چلی مثلِ نسیم آزادی

فرقہ بندی سے الگ ہیں کے حصارِ مرصوص — کھینچ لی۔ رحمتِ رحمٰن و رحیم۔ آزادی

ذہنیت مسخ ہوئی جن کی بد آموزی سے — بخشے گی ان کو بھی پھر طبعِ سلیم آزادی

بے گناہوں کے لہو کی ہے پڑی چاٹ جنہیں — ایسے مُلّاؤں کی خاطر ہے جحیم آزادی

باڑ تیغوں کی لگا رکھو نہ اسلام کے گرد — ہو نہ جائے کہیں دنیا سے "عدیم" [۱] آزادی

اے خُدا مانگتا ہے تجھ سے یہ تنویر دُعا
اس وطن میں رہے تا حشر مقیم آزادی

[۱] عدیم بمعنی معدوم

مسعود احمد پرنٹر و پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس میں طبع کرا کر ۳ میکلیگن روڈ لاہور سے شائع کیا

قیام پاکستان سے قبل حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کی ایک تقریر

اگر حق کی تائید میں ہمیں پھانسی پر بھی لٹکا دیا جائے تو یہ ہمارے لئے موجب راحت ہوگا

ہم پاکستان کی حمایت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کا جائز حق ہے

بعض فتنہ پرداز حلقے جماعت احمدیہ کے برخلاف عوام میں غلط فہمیاں پھیلانے کے لئے یہ مشہور کر رہے ہیں کہ جماعت احمدیہ خدانخواستہ پاکستان کی وفادار نہیں۔ اور اس کے قیام کے خلاف ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت امام جماعت احمدیہ کے ارشادات کو کانٹ چھانٹ کر شائع کیا ہے۔ ذیل میں ہم حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کی وہ تقریر درج کرتے ہیں جو آپ نے قبل از تقسیم ۱۶ رمئی ۱۹۴۷ء کو فرمائی تھی۔ اور الفضل ۱۹ رمئی ۱۹۴۷ء میں شائع شدہ ہے۔ انصاف پسند حضرات اس تقریر سے خود اندازہ لگا لیں کہ پاکستان کے احمدیوں کا پاکستان سے کیا تعلق ہے فرمایا

"مجھے آج ایک عزیز نے بتایا کہ دہلی کے ایک اخبار نے لکھا ہے کہ احمدی اس وقت تو پاکستان کی حمایت کرتے ہیں۔ لیکن انہیں وہ کچھ بھول گیا ہے۔ جو کابل میں ان سے ہوا تھا۔ اور جب پاکستان قائم ہو گیا۔ تو ان کے ساتھ پھر وہی سلوک ہوگا۔ جو اس وقت ہوا تھا۔

اس بات کو کئی پہلوؤں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اول یہ کہ اگر پاکستان بن گیا تو احمدیوں سے وہی سلوک ہوگا جو کابل میں ہوا تھا۔ ایک دیانتدار جماعت جس کی بنیاد ذاتی اغراض پر نہ ہو۔ بلکہ مذہب اخلاق اور دیانت پر ہو۔ وہ اس امر کا فیصلہ اس نقطۂ نگاہ سے نہ کرے گی کہ میرا اس میں فائدہ ہے۔ بلکہ وہ یہ دیکھے گی کہ حق کیا ہے۔ اور انصاف کا تقاضا کیا ہے۔

قطع نظر اس کے کہ کل کو مسلمان ہمارے ساتھ کیا کریں گے۔ ہم نے دیکھنا یہ ہے کہ اس وقت جو جھگڑا ہے اس میں حق کیا ہے۔ اور کون ہمدردی کا مستحق ہے۔ جب ہم گذشتہ سو سالہ واقعات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کو ہر ممکن طریق سے کچلنے کی کوشش کرتے اور صریحاً جنبہ داری اور ناانصافی سے کام لیتے رہے ہیں۔ اگر ملازمتوں کا سوال ہوتا تو وہ مسلمانوں کو محروم رکھ کر ہندوؤں کو دیتے اگر تجارت کا سوال ہوتا۔ تو ہندوؤں کو دی جاتی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا۔ کہ مسلمان مفلس و قلاش ہوتے گئے۔ اور ہندو ترقی کرتے چلے گئے

ضروری تھا کہ ظلم کسی نہ کسی دن رنگ لائے اور مسلمان اپنے حقوق کا مطالبہ کریں۔ چنانچہ وہ ہوا جو ایک لمبے ظلم کی وجہ سے مسلمانوں کے دلوں میں پرورش پا رہا تھا آج پھوٹ پڑا ہے۔ اور اب مسلمان جائز حق کا مطالبہ کرنے لگ گئے ہیں اس وقت تک مسلمانوں کو ناقابل اور نالائق سمجھ کر دھتکار دیا جاتا تھا لیکن آج وہ ایک الگ ملک کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جہاں وہ بھی اپنی قابلیت کا اظہار کر سکیں۔ مسلمانوں کا یہ مطالبہ درست ہے۔ اگر ہندوؤں کا حق ہے کہ وہ آزادی کے لئے تگ و دو کریں تو کیا مسلمانوں کا یہ حق نہیں کہ وہ بھی اپنی آزادی اور زندگی کی کشمکش کے لئے ہاتھ پاؤں ماریں۔ اب مسلمانوں کو احساس ہو چکا ہے۔ اور وہ بیدار ہو چکے ہیں۔ اور انہوں نے اپنے حقوق منوانے شروع کر دیئے ہیں۔ اور اس کی ذمہ داری ان ہندو لیڈروں پر ہے۔ جنہیں بارہا ہم نے بتایا تھا۔ کہ تم مسلمانوں کے حقوق غصب نہ کرو۔

ہم پاکستان کی حمایت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کا جائز حق ہے اور انہیں ملنا چاہیئے۔ اور اگر حق کی تائید میں ہمیں پھانسی پر بھی لٹکا دیا جائے۔ تو یہ ہمارے لئے موجب راحت ہوگا۔

دوسرا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ میں ہندوؤں سے دریافت کرتا ہوں کہ چلو مان لیا جائے۔ کہ مسلمانوں نے ... پر ظلم کئے تھے۔ لیکن تم تو بتاؤ بھلا تم نے ہمارے ساتھ کونسی خیر خواہی کی ہے حالیہ فسادات میں بہار میں احمدیوں کو قتل کیا گیا۔ قادیان کے پاس ایک سکھ لیڈر نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔ کہ میں قادیان کی ساری ... انتڑیاں اکھاڑ کر دریائے بیاس میں پھینکوا دوں گا۔ الغرض ہندوؤں نے ظلم کا کوئی موقعہ بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اور جہاں تک ان کا بس چلا۔ انہوں نے کمی نہ کی۔

تیسرا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ اگر انصاف کی تائید کرتے ہوئے ہمیں دکھ دیا جائے۔ اور ہم پر ظلم کئے جائیں۔ تو ہمارا یقین ہے کہ ان ظالموں کے اوپر ایک اور بالا ہستی بھی ہے۔ جو ان کے ہاتھ کو روک سکتی۔ اور ان کو سزا دے سکتی ہے۔ اس اخبار نے امان اللہ خان کے واقعہ کو تو یاد دلایا ہے۔ لیکن اس نے اس کے انجام کو یاد نہیں کیا۔ جو اس ظلم کے نتیجہ میں ہوا تھا۔ ہمارے غالب خدا نے اس کی حکومت کو نیست و نابود کر دیا۔ اس کے خاندان کی دھجیاں اڑا دیں۔ اور اسے ذلیل و خوار ہو کر ملک سے نکلنا پڑا۔ چنانچہ جب وہ سیلون سے جہاز پر سوار ہونے لگا۔ تو اس کے ایک درباری نے مجھے خط لکھا کہ امید ہے کہ اب تو آپ ہمارے لئے بددعا نہ کریں گے کیونکہ اب ہمیں کافی سزا مل چکی ہے۔ اس نے لکھا کہ اکثر ہم میں یہ تذکرہ ہوتا رہتا ہے کہ ہماری حالت آپ کی بددعاؤں کے نتیجہ میں ہی ہوئی ہے۔

پس یہ تین نقطۂ نگاہ ہیں اور ہمیں ان تینوں کے لحاظ سے کوئی گھبراہٹ نہیں۔ **ہم سمجھتے ہیں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ اور ان کے حقوق غصب ہو رہے ہیں۔ اور جب ہمیں یہ پتہ لگ گیا تو ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی مدد کریں۔** اور انصاف کا ساتھ دیتے ہوئے اگر ہماری جان بھی چلی جائے تو پروا نہیں۔ دوسرے ہمیں کسی قوم سے بھی نیکی اور ہمدردی کی توقع نہیں۔ وقت آنے پر نہ ہندو ہمارے خیر خواہ ہوں گے نہ مسلمان ہماری مدد کریں گے۔ ساری قومیں ہی ہمیں مظالم کا تختۂ مشق بنائیں گی اور نبیوں کی جماعتوں سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ انہیں ہر طرف سے ہی دکھ پہنچا کرتا ہے۔

تیسرے ہمیں اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ ہے۔ کہ وہ ظالم کے ہاتھ کو روک سکتا ہے۔ اور جو ہمارے مقابل پر آئے گا وہ پاش پاش ہوگا۔ پس جن احساسات کا اظہار اس اخبار نے کیا ہے۔ وہ نہایت ہی ادنیٰ احساسات ہیں۔ ہمیں اس بات کی پروا نہیں کہ ہمارا کیا بنے گا۔ اور کل کو ہم سے کیا سلوک ہوگا بلکہ ہمارا کام ہے انصاف کا ساتھ دینا اور مظلوم کی حمایت کرنا۔ خواہ وہ مظلوم ہم سے دشمنی ہی کرے۔ لیکن ہمارا خدا کہے گا کہ میرے بندے حق و انصاف کی خاطر دشمن کی بھی اعانت کرتے ہیں۔ تو کیا میں ان کا دوست ہو کر ان کا ساتھ نہ دوں؟

(الفضل ۱۹ رمئی ۱۹۴۷ء)

صرف متحدہ محاذ ہی سے دنیا میں ہماری آواز کی شنوائی ہو سکتی ہے

ہم اپنے شاندار مستقبل کی توقع رکھ سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ہم اپنی کوششوں میں کمی نہ کریں۔ یا انہیں اپنے اندرونی تنازعات میں ضائع نہ کردیں۔ ہمیں اس وقت سے زیادہ اتحاد کی ضرورت کبھی نہ تھی۔ ہم صرف متحدہ کوشش اور یقین محکم سے ہی پاکستان کے خواب کو حقیقت کا جامہ پہنا سکتے ہیں۔ (قائد اعظم)

ہم خطرناک زمانہ میں سے گزر رہے ہیں۔ طاقت کے بل پر جو کھیل فلسطین اور انڈونیشیا میں کھیلا جا رہا ہے۔ وہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ صرف متحدہ محاذ ہی سے ہماری شنوائی ہو سکتی ہے۔ (پیام عید ۱۹۴۸ء)

روزنامہ — الفضل — لاہور
۱۴ اگست ۱۹۵۲ء

پاکستان اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتحاد کا انعام ہے

آپ ان تمام خطوط کو جو آنحضرتؐ نے مختلف قوموں کے سرداروں کو بھیجے اٹھا کر پڑھ لیجئے۔ ان میں دعوتِ حق کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا ہے۔ کہ آؤ ان باتوں میں متحد ہو جائیں۔ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہیں۔ اور یہ دعوت اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی یہ تعلیم ہے۔ کہ جہاں کسی سے کچھ بھی اشتراک ہو اس پر صلح کر لو۔ اور لڑائی جھگڑا ختم کر دو۔

یہ کفار کے ساتھ سلوک کا حال ہے۔ جن کی ہر بات میں شرک داخل ہے۔ اب ذرا اس کا اندازہ کیجئے کہ جو لوگ باری تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان میں گو اعتقادی اختلاف کتنے بھی ہوں۔ کیا وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی مشترکہ بنیاد پر باہم اتحاد و اتفاق نہیں کر سکتے؟

یا ایھا الذین اٰمنوا ... ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفاً کانھم بنیان مرصوص

اے مسلمانو ... اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے جو اپنے باہمی تفرقات چھوڑ چھاڑ کر دشمن کے مقابلہ میں ایک محاذ پر اس طرح جمع ہو جاتے ہیں۔ کہ گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی عمارت بن گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کا رسول تو یہ فرماتے ہیں۔ کہ کفار سے بھی کسی مشترک بنیاد پر صلح کر لو۔ کیونکہ الفتنۃ اشد من القتل۔ ان اللہ لا یحب الفساد۔ اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ وہ ان تمام فرقوں کو کیا حکم دیتا ہے جو

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

پر ایمان رکھتے اور جو سب اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ اس کے یہ معنے نہیں ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ تم سچے مسلمان نہ بنو ضرور بنو۔ مگر وہ یہ فرماتا ہے۔ کہ یہ فیصلہ تم نہیں کر سکتے کون سچا مسلمان ہے۔ اور کون نہیں۔ یہ فیصلہ تو صرف ہم کر سکتے ہیں۔ ہم نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو بھی یہ اختیار نہیں دیا۔ یہ فتوے باز ملا بیچارے تو رکھتے ہی کیا ہستی ہیں

ہم پاکستان کو دولت خداداد اس لئے کہتے ہیں کہ جناب محمد علی جناح

قائداعظم مرحوم نے اللہ تعالیٰ کے اسی اصول پر عمل کر کے اس کو حاصل کیا ہے۔ قائداعظم نے اللہ تعالیٰ کے اس اصول کی پیروی کرتے ہوئے کہا۔

آج سب مسلمان کہلانے والے ایک محاذ پر جمع ہو کر دشمنوں کے مقابلہ پر کھڑے ہو جاؤ۔ حنفی۔ وہابی۔ احمدی۔ غیر احمدی شیعہ و سنی سب ایک ہو جاؤ۔ کیونکہ پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الٰہ الا اللہ (محمد رسول اللہ) یہ تم میں مشترک بنیاد ہے۔ اس کو مضبوطی سے پکڑ لو۔

اکثر نے اس اصول کو اپنا لیا۔ صرف مودودیئے اور احراریئے الگ رہے۔ مگر ان کی دشمنی کچھ نہ کر سکی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اصول میں برکت ڈالی۔ اور پاکستان بن گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے اور صرف ایک ذرا سے اللہ تعالیٰ کے اصول پر عمل کرنے کا انعام ہے۔ جو مسلمانوں کو حاصل ہوا ہے۔ احراریئے اور مودودیئے اس انعام کے قطعاً حقدار نہیں ہیں۔ ان کو کوئی استحقاق نہیں ہے۔ کہ وہ پاکستان میں رہیں۔ اور اس کی خداداد نعمتوں اور برکتوں سے تمتع کریں۔ مگر ......

مسلمان بڑا وسیع القلب ہوتا ہے۔ قائداعظم نے ان کی نہ صرف جان بخشی کی بلکہ تمام شہری حقوق ان کو تفویض کر دیئے۔ مگر آج تک انہوں نے ملک میں فتنہ و فساد جاری رکھا ہے۔ اور روز بروز بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ کہ چند مولویوں کو اپنے ساتھ ملا کر حکومت کے سر پر سوار ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور مسلمانوں کو فرقہ فرقہ بکھیر کر پاکستان کی خداداد طاقت کو کمزور کر دینا چاہتے ہیں۔

ہمیں یقین ہے۔ کہ حکومت مودودیوں اور احراریوں کے فتنہ کی تہ کو پا گئی ہے۔ اور جلد ہی زبردست ہاتھ سے اس کو دبا دیگی۔ اور اللہ تعالیٰ کے متذکرہ بالا اصول پر عمل کر کے پاکستان کی بنیاد کو مضبوط سے مضبوط بنانے کے لئے فرقہ پرستی کو ہوا دینے والوں کا قلع قمع کر دیگی۔ تاکہ یہ دولت خداداد اپنے ان مقاصد کو حاصل کر سکے۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ اپنوں اور بیگانوں کی سخت مخالفت کے علی الرغم اسے معرضِ وجود میں لایا ہے۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔ آمین۔

پاکستان زندہ باد۔ زندہ و پائندہ باد

تفریق اور انقطاع کے نظریات روحِ اسلام کے منافی ہیں

ہم میں ابھی چند ایسی عادتیں باقی ہیں۔ جو ہمارے دورِ غلامی کا ورثہ ہیں۔ یہ وہ دور تھا۔ جس میں رسم پرستی۔ فرقہ پرستی۔ تنگ نظری اور عدم رواداری کو فروغ حاصل ہوا۔ اور ہم اپنے مذہب کے بنیادی اصولوں کو بڑی حد تک فراموش کر بیٹھے ہم اپنی جماعتوں یا فرقوں کی خصوصیات کو اسلام کے بنیادی اصولوں سے زیادہ اہمیت دینے لگے۔

تفریق اور انقطاع کے نظریات روح اسلام کے منافی ہیں۔ اور ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے۔ کہ اپنے ان تمام تفرقہ انگیز رجحانات کو ختم کرنے کی کوشش کرے۔"

عزت مآب غلام محمد گورنر جنرل پاکستان کا پیغام قوم کے نام بر موقعہ جشن استقلال ۱۹۵۲ء

موجودہ فتنہ کا بہترین علاج — حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا مطالعہ ہے
خود بھی پڑھو اور دوسروں کو بھی پڑھاؤ

آج دنیا میں مختلف قسم کی زہریلی اور روحانیت کو بھسم کر جانے والی تحریکیں جاری ہیں۔ ان کا واحد علاج یہی ہے۔ کہ قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کی جائے۔ اور اس زمانہ کے مامور مرسل کی تائید روح القدس لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔ پہلے دوست کہتے تھے۔ کہ وہ کتابیں نایاب ہیں۔ کہاں سے لیں۔ اب وہ کتب بک ڈپو تالیف و تصنیف نے ہزارہا روپیہ خرچ کر کے طبع کروائی ہیں۔ لیکن گرانی کے پیش نظر قلیل تعداد میں چھپوائی گئی ہیں۔ دوستوں کو جلد سے جلد انہیں خرید لینا چاہیئے۔ ورنہ انہیں افسوس کرنا ہوگا۔ اور ایک مدت تک ان سے محروم رہیں گے۔ اس وقت جو کتابیں چھپ چکی ہیں۔ وہ مع قیمت درج ذیل ہیں:۔

(۱) حقیقۃ الوحی اعلیٰ کاغذ ۸ روپے درمیانہ ۷ روپے۔ مجلد -/۹/۸ روپے۔
(۲) براہین احمدیہ حصہ پنجم اعلیٰ کاغذ -/۴/۳ روپے۔ درمیانہ -/۲/۲ روپے۔ مجلد -/۴ روپے و -/۸/۳ ر
(۳) نزول المسیح مجلد -/۴/۳ و غیر مجلد -/۸/۲ روپے۔
(۴) تحفہ گولڑویہ مجلد ۳ روپے و غیر مجلد -/۸/۲ ر
(۵) ازالہ اوہام ہر دو حصہ ۴ روپے
(۶) فتح اسلام مجلد ۱۰/ و غیر مجلد ۶ آنے۔
(۷) توضیح مرام مجلد ۱۰/ غیر مجلد ۶/
(۸) کشتی نوح مجلد ۹ آنے غیر مجلد ۶/
(۹) تجلیات الٰہیہ مجلد ۷/ غیر مجلد ۴/
(۱۰) سبز اشتہار چار آنے (۱۱) ایک غلطی کا ازالہ ۲/
(۱۲) ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی ۲/
(۱۳) اسلام میں اختلافات کا آغاز ایک روپیہ
(۱۴) تفسیر کبیر پارہ اول نو رکوع -/۸/۶ روپے
(۱۵) " " پارہ عم حصہ سوم -/۸/۶ "
(۱۶) تفسیر سورہ کہف -/۸/۱ روپیہ۔
(۱۷) اسلام اور ملکیت زمین -/۸/۲ روپے۔
(۱۸) سیرت خاتم النبیین حصہ سوم مجلد -/۴/۳
(۱۹) تبلیغی خط مجلد ۷/ غیر مجلد ۴/
(۲۰) آئینہ کمالات اسلام -/-/۶ روپے
(۲۱) دعوت الامیر مجلد -/۱۲/۳ روپے غیر مجلد -/-/۳ روپے۔

انچارج بک ڈپو تالیف و اشاعت ربوہ

پاکستان و قائداعظم

بہشتِ تازہ و نو گلستانِ پاکستاں — بر بزمِ عیش زہر گونہ یک جہاں ساماں
سرشت روشن و خاکش بلند افتادست — بذرہ اش مہ و خورشید و کہکشاں پنہاں
چمن کشادہ و بس دلکشاست آب و ہوا — فراخ تر نگہِ شوق را بوُد داماں
زہے خرامِ نسیمِ فضائے آزادی — خوشا ترانۂ صبح و نشاطِ بے پایاں
چناں زمانہ بیاراست محفلِ عشرت — سپندِ مجمرہ اش گشتہ انجمِ تاباں
نگاہ از مئے نظرہا خمار آلود — ز زعفرانِ چراغانِ جشن دل خنداں
طبیعت از غمِ بے چارگی رہائی یافت — بکامِ ما بوُد امروز گردشِ دوراں
ربود از کفِ گردوں کلاہِ فیروزی — جناح کز نگہے بستہ راہِ صد طوفاں

بگو تُم از اثرِ عدل ایں قدر قدسی
شکستہ در دلِ جلاّد دشنہ و پیکاں

سید ابوالحسن قدسی

جشنِ استقلال

کیا سہانی صبح تھی صبحِ وطن — اک نئی دھج سے سجے کوہ و دمن
دیکھنے والوں کی نظروں میں بنی — پتّی پتّی رونقِ صحنِ چمن

★

ہے ہمیں بھی اپنے پاکستاں پہ ناز — اپنی ہستی سربسر بالائے راز
ہم مسلماں ہیں بفضلِ کردگار — خاکِ پائے خواجۂ ارضِ حجاز

★

یاں لُٹا کر آئے جان و مال کو — رونقیں دیں جشنِ استقلال کو
ہر گذرتے سال کے آئینے میں — دیکھتے ہیں آنیوالے سال کو

★

قائداعظم لحد میں سو گئے — اہلِ دل ماضی میں جاکر کھو گئے
پانچ سالوں میں ہوا یہ انقلاب — وہ جو اپنے تھے پرائے ہو گئے

★

آگ اُگلنے لگ گئے کام و دہن — جل رہا ہے چار سو صحنِ چمن
اپنا گھر ہے یا دیارِ غیر ہے! — درپئے آزار ہیں اہلِ وطن

★

اپنے دشمن ہو گئے پیر و جواں — بر سرِ پیکار ہے سارا جہاں
ہم لگاتے کب ہیں انسانوں پہ آس؟ — اے خدا! چارہ گرِ بے چارگاں!

★ (عبدالمنان ناہید) ★

قیامِ پاکستان کی جدوجہد — اور — احرار

"احرار اس پاکستان کو پلیدستان سمجھتے ہیں" (خطباتِ احرار)

(مرتبہ خورشید احمد)

قیامِ پاکستان کے سلسلے میں مجلسِ احرار نے جو "سنہری خدمات" سرانجام دی ہیں۔ اس کا اندازہ ذیل کے حوالوں سے لگائیے۔ اور پھر سنجیدگی سے غور فرمائیے کہ کانگرس کے یہ قدیم نمک خوار اور پاکستان کے بدترین دشمن کیا آج پاکستان کے خیر خواہ ہو سکتے ہیں؟

۱۔ "احرار اس پاکستان کو "پلیدستان" سمجھتے ہیں"۔ (خطباتِ احرار حصہ اول۔ صفحہ ۴۷)

۲۔ "احرار کا وطن لیگی سرمایہ دار کا پاکستان نہیں"۔ (خطباتِ احرار حصہ اول صفحہ ۹۹)

۳۔ "پاکستان کی تحریک مکانی لحاظ سے نہیں بلکہ زمانی لحاظ سے شر انگیز ہے" (خطبات احرار صفحہ ۲۱)

مسلم لیگ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

۴۔ "لیگ کا نقاب اوڑھے ہوئے انگریز کا ایجنٹ ایسے مواقع کی تاک میں رہتا ہے کہ کب کانگرسی مسلمان کی زبان سے کوئی غیر محتاط کلمہ نکلے اور اسے عوام میں بدنام کرنے کا موقع میسر آئے"۔ (خطبات احرار صفحہ ۲)

۵۔ "انہی حالات ہم لیگ کو دامِ فرنگ سمجھ کر دور ہی رہنا چاہتے ہیں"۔ (" صفحہ ۲۲)

عطاء اللہ بخاری کے "ارشادات"

۶۔ "کسی ماں نے کوئی ایسا بیٹا نہیں جنا۔ جو پاکستان کی "پ" بھی بنا سکے"۔ تقریر لیسہ ور بحوالہ روزنامہ جدید نظام استقلال نمبر صفحہ ۹۴)

۷۔ "اگر پاکستان بن گیا۔ تو میری داڑھی پیشاب سے منڈوا دینا۔

۸۔ اگر خدانخواستہ پاکستان بن گیا۔ تو میں سو میل پاکستان سے دور رہونگا"۔ (ہفت روزہ ایمان کراچی ۲۲ فروری ۱۹۵۲ء)

۹۔ مسٹر مظہر علی اظہر مشہور احراری لیڈر نے ایک جلسہ میں فرمایا۔

"ایک کافرہ" کے واسطے اسلام کو چھوڑا
یہ کافرِ اعظم ہے، کہ ہے قائداعظم"۔

(دیکھو حیاتِ محمد علی جناح صفحہ ۹۱)

اس شعر میں قائداعظم کی زوجہ کو "کافرہ" اور قائداعظم کو "کافرِ اعظم" کہا گیا ہے اس کا جواب ملک کے مشہور ادیب اور پرانے قومی کارکن محترم مولانا رئیس احمد جعفری کی زبانی سنئے۔

"اس مسلمہ کا جب انتقال ہوا۔ تو وہ اسلامی قبرستان میں دفن ہوئی۔ تجہیز و تکفین میں بمبئی کے بہت سے معزز مسلمان شریک ہوئے کچھ مزید ثبوت کے طور پر سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۲۱ اپریل ۱۹۱۸ء کی خبر بہت سے اردو اخبارات نے صفحہ کالم۔ تاریخ اور نام کے تعین کے ساتھ شائع کی۔ پھر بھی الزام آج تک قائم ہے۔ نہ صرف مسٹر جناح کا اسلام قابل قبول نہیں ہے۔ بلکہ یہ مفتیانِ عظام اور رہنمایانِ اسلام ایک مرحومہ مسلمہ کو بھی کافرہ کے خطاب سے نواز رہے ہیں یہ ہے مسلم لیگ کے مخالفوں کی شرافت"۔

(حیات محمد علی جناح صفحہ ۹۱)

۱۰۔ مولانا رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں:۔

"مجلس احرار کے وہ لیڈر جو عرصہ سے گوشہ نشین تھے۔ میدان میں اتر آئے۔ اور پاکستان کی تحریک کے خلاف سدِ سکندری کی طرح حائل ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کشمیر کی بلندیوں سے نیچے اتر آئے۔ مسٹر مظہر علی اظہر اخلاق کی بلندیوں سے بہت نیچے اتر آئے اور ان سب حضرات نے متحدہ و متفق ہو کر مسلم لیگ کے خلاف دھاوا بول دیا۔ ان کی تقریروں اور تحریروں کا صرف ایک ہی مقصد تھا...... مسلم لیگ جو کچھ کہے۔ وہ خواہ کتنا ہی برحق کیوں نہ ہو۔ اس کی مخالفت کی جائے۔ حتیٰ کہ پاکستان جیسے مسئلہ کی مخالفت بھی ان حضرات نے فرائض و واجبات میں شامل کر لی"۔ (حیات محمد علی جناح صفحہ ۱۴۲)

۱۱۔ احرار نے مسجد شہید گنج کے معاملہ میں جو اسلام کی خدمت کی۔ وہ بھی ....

..... مولانا رئیس احمد جعفری کی زبانی سنیئے۔

"گوردوارہ کی توسیع کے لئے سکھوں نے مئی ۱۹۳۵ء میں اس مسجد کو ڈھا دینا چاہا۔ مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہو گیا۔ یہ مسجد اگر حکومت کے قبضہ میں ہوتی۔ تو مسلمانوں کا احتجاج اور مظاہرہ بازیافت میں کامیاب ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ ایک دوسری قوم کے قبضہ میں تھی قانون انکے ساتھ تھا۔ یہ مسئلہ صرف باہمی مفاہمت سے طے ہو سکتا تھا۔ لیکن سکھ مفاہمت کے لئے تیار نہیں تھے۔ ایک طرف احرار تھے جو سکھوں سے ساز باز کر رہے تھے۔ اور "سکھ احرار" محاذ قائم کر کے پنجاب میں وزارت قائم کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کا ساتھ دینے کی بجائے سکھوں کی دلجوئی کی"۔ (حیات محمد علی جناح صفحہ ۲۳۴)

مسلمانوں کی جدوجہد آزادی اور قیام پاکستان میں جماعت احمدیہ کا نمایاں حصہ

اہم سیاسی مسائل میں حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے مسلمانوں کی صحیح اور بروقت راہنمائی

خورشید احمد

"ناشکرگزاری ہوگی کہ جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد اور ان کی اس منظم جماعت کا ذکر ان سطور میں نہ کریں جنہوں نے اپنی تمام تر توجہات بلا اختلاف عقیدہ تمام مسلمانوں کی بہبودی کے لئے وقف کر دی ہیں۔ یہ حضرات اس وقت اگر ایک جانب مسلمانوں کی سیاست میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ تو دوسری طرف مسلمانوں کی تنظیم تبلیغ میں بھی انتہائی جدوجہد سے منہمک ہیں۔ وہ وقت دور نہیں جبکہ اسلام کے اس منظم فرقہ کا طرز عمل سواد اعظم اسلام کے لئے بالعموم اور ان اشخاص کے لئے بالخصوص جو بسم اللہ کے گنبدوں میں بیٹھ کر خدمت اسلام کے بلند بانگ و در باطن ہیچ دعاوی کے خوگر ہیں مشعل راہ ثابت ہوگا۔" (رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر مرحوم)

جماعت احمدیہ کا مقصد وحید اشاعت اسلام ہے

جماعت احمدیہ ایک خالص مذہبی اور روحانی جماعت ہے۔ جس کا واحد مقصد یہ ہے کہ اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ قائم کیا جائے۔ اور دنیا کو اعتقاداً اور عملاً حضرت سرور کائنات محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع کر دیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا یہ مشن قرار دیا کہ "یحیی الدین و یقیم الشریعۃ" (تذکرہ صفحہ ۳۵۱) یعنی شریعت محمدیہ کو قائم کیا جائے۔ اور اسلام کو دنیا میں زندہ کر دیا جائے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کی غرض سے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنی جماعت کے ہر فرد سے یہ عہد لیا کہ "وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھے گا۔ اور دین اور دین کی عزت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے عزیز تر سمجھے گا۔" (شرائط بیعت)

ظاہر ہے کہ دنیا کے موجودہ تاریک ماحول میں ایک مسلمان کے نقطۂ نظر سے یہ ایک اتنا بلند، پاکیزہ اور عظیم الشان مقصد ہے کہ اسے اپنی زندگی کا نصب العین قرار دینے والی جماعت کے لئے ناممکن ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی توجہ کو اس مقصد سے ہٹا کر کسی اور امر کی طرف دھیان دے سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اول دن سے ہی جماعت احمدیہ کی تمام تر مساعی صرف اور صرف تبلیغ اسلام اور قیام شریعت کے لئے وقف رہی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے بھی اس مساعی میں غیر معمولی برکت دی۔ چنانچہ اس نے اس چھوٹی سی جماعت کو شدید مخالفت اور نامساعد حالات کے باوجود دنیا کے کونے کونے میں اسلام کا جھنڈا گاڑنے اور ہزاروں لاکھوں سعید روحوں کو آنحضرت دوجہاں محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ فالحمد للہ

ملکی سیاسیات اور جماعت احمدیہ

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے سیاسیات کی خاردار وادی میں الجھنا جماعت احمدیہ کے مقدس نصب العین کے بالکل منافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ من حیث الجماعت ہمیشہ سیاسی جھمیلوں سے الگ رہی ہے۔ لیکن دو امور ایسے تھے جن کی وجہ سے جماعت احمدیہ کو کبھی کبھار ملکی سیاسیات میں حصہ لینے کی ضرورت محسوس ہوتی رہی ہے۔

اول اس لئے کہ ملکی سیاسیات میں مسلمانوں کی آبرومندانہ پوزیشن اور ان کے حقوق کے تحفظ کا براہ راست اسلام کی ترقی اور اشاعت کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔

دوم سیاسی صورت حال کی تبدیلی جماعت احمدیہ کے افراد پر بھی ملکی باشندہ ہونے کے لحاظ سے اثر انداز ہوتی تھی۔ اور اس طرح ان کی تبلیغی مساعی پر بالواسطہ اثر پڑتا تھا۔ ان دونوں امور کے پیش نظر حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالےٰ نے وقتاً فوقتاً سیاسی معاملات میں مسلمانوں کی راہنمائی فرمائی۔ مگر صرف اسی حد تک جہاں تک کہ مسلمانوں کی بہتری اور اسلام کی اشاعت کے لئے ضروری تھا۔

جدوجہد آزادی کے مختلف مراحل

قیام پاکستان دراصل نتیجہ ہے ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کا جو ایک لمبے عرصہ تک جاری رہی۔ لہٰذا یہ دیکھنے کے لئے کہ جماعت احمدیہ نے قیام پاکستان میں کتنا حصہ لیا۔ ہمیں برعظیم ہندوپاکستان کی لمبی اور مسلسل جدوجہد آزادی کے مختلف ادوار پر ایک طائرانہ نظر ڈالنی پڑے گی۔

ذیل میں ہم سیاسیات ہند کے بعض اہم مراحل میں حضرت امام جماعت احمدیہ کی راہنمائی کا بطور مثال ذکر کرتے ہیں۔ قارئین خود اندازہ لگا لیں گے کہ آپ نے کس بالغ نظری اور فراست کے ساتھ مسلمانوں کو صحیح مشورہ دیا۔ اور حقیقی مدد فرمائی۔ اور اس طرح اس منزل تک پہنچنے میں ان کی راہنمائی فرمائی۔ جس کے نتیجہ میں مملکت خداداد پاکستان معرض وجود میں آئی۔

تحریک ہجرت

۱۹۱۹ء میں مسلمانان ہند کے علماء نے یہ فتوےٰ دے دیا کہ مسلمانوں کو ہندوستان سے ہجرت کر جانی چاہیئے۔ گاندھی جی اور دیگر ہندو راہنماؤں نے بھی اس تحریک کو خاصی ہوا دی۔

حضرت امام جماعت احمدیہ نے ایسے وقت میں جبکہ ایک عام رو ہجرت کرنے کی جا رہی تھی مسلمانوں کو متنبہ کیا۔ کہ یہ تحریک مسلمانان ہند کے لئے سراسر نقصان دہ ہے۔ کیونکہ دیگر نقصانات کے علاوہ اس سے ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کم ہو جائے گی۔ اور ہندوستان کی نسبتی اکثریت میں اضافہ ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں کے حقوق سخت خطرہ میں پڑ جائیں گے آپ نے مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ

"اول تو شرعاً یہ موقعہ ہجرت کا نہیں ہے دوم اگر خلاف شریعت ہجرت کی بھی گئی۔ تو اسکے سامان آپ کے پاس نہیں ہیں۔ اس لئے نقصان ہوگا۔ اور دشمنوں کو ہنسی کا موقعہ ملے گا۔"

بعد کے واقعات نے بتا دیا کہ حضرت امام جماعت احمدیہ کی یہ نصیحت بالکل درست تھی چنانچہ جن مسلمانوں نے ہجرت کی۔ وہ مسلمانوں کی طاقت کو کمزور کرنے کا موجب بنے۔ انہیں عظیم مالی اور اقتصادی نقصان کے علاوہ بالآخر واپس آنا پڑا۔

ترک موالات کی تحریک

۱۹۲۰ء میں انڈین نیشنل کانگرس نے گاندھی جی کی صدارت میں ترک موالات کی تحریک جاری کی۔ جس کے تحت انگریزی عدالتوں ملازمتوں کونسلوں اور سرکاری سکولوں اور کالجوں کا مقاطعہ کرنے کی تلقین کی گئی۔ مسلمان علماء نے اس تحریک کو "عین اسلام" قرار دیا۔

اس کے برعکس ہندوؤں کے ایک بااثر طبقہ نے پنڈت موتی لال نہرو وغیرہ کی سرکردگی میں اس تحریک کی مخالفت شروع کر دی نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں نے تو عملاً اس تحریک میں زیادہ حصہ نہ لیا۔ لیکن مسلمان علماء کے فتوے کے پیش نظر ہزاروں مسلمانوں نے سرکاری ملازمتیں چھوڑ دیں۔ نوجوانوں نے پڑھنا ترک کر دیا۔ حالانکہ تعلیم اور ملازمتوں میں مسلمانوں کا حصہ پہلے ہی بہت کم تھا۔

حضرت امام جماعت احمدیہ نے اس موقعہ پر بھی مسلمانوں کی بروقت راہنمائی فرمائی۔ اور بتایا کہ اس میں حصہ لینے میں مسلمانوں کا سراسر نقصان ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک کتاب ترک موالات اور احکام اسلام تصنیف فرمائی۔ جس میں قرآن مجید اور احادیث کی رو سے ثابت کیا کہ

"یہ تحریک قطعاً اسلامی نہیں ہے۔ اور محض ہوائے نفس کے ماتحت ہے۔ نہ اسلام کی خاطر۔ اور اس میں مسلمانوں کا سراسر نقصان ہے۔"

بعد کے واقعات نے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دیں۔ اور انہیں معلوم ہو گیا۔ کہ فی الحقیقت حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالےٰ ہی کا مشورہ صحیح اور درست تھا۔

شدھی کی تحریک میں جماعت احمدیہ کی خدمات

۱۹۲۳ء میں ملک میں مسلمانوں کی تعداد کو کم کرنے کے لئے برادران وطن نے شدھی یعنی مسلمانوں کو مرتد کرنے کی تحریک جاری کی جس کے تحت صرف یو۔پی کے علاقہ میں ہزاروں جاہل اور پسماندہ مسلمانوں کو ہندو مت میں داخل کر لیا گیا۔

آج ہم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس تحریک کے ہولناک نتائج کو دیکھ کر درد مند مسلمانوں کے قلوب کی کیا کیفیت تھی۔ ہندوستان کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک مسلمانوں میں ایک شور برپا ہوگیا — لیکن ہندوؤں کی دولت طاقت۔ تعداد اور ذرائع کی وسعت کے سامنے محض شور کب کام آ سکتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ دیکھتے دیکھتے مسلمانوں کے گروہ در گروہ مرتد ہوتے چلے گئے لیکن مسلمان منظم رنگ میں اس کا کوئی سدباب نہ کر سکے۔ آخر جماعت احمدیہ اپنے واجب الاطاعت امام کی راہنمائی میں آگے آئی اور اس نے اپنے محدود ذرائع کے باوجود اس فتنۂ ارتداد کا خاتمہ کر کے رکھ دیا۔

جماعت احمدیہ کی مساعی مسلمانوں نے کس نظر سے دیکھی۔ اس کا اندازہ آپ زمیندار اخبار سے ہی لگا لیں۔ ہاں وہی "زمیندار" جو آج جماعت احمدیہ کے خلاف دشنام دہی اور الزام تراشی ہی کو سب سے بڑی خدمت اسلام سمجھتا ہے۔ ۱۹۲۳ء میں لکھتا ہے کہ:۔

"احمدی بھائیوں نے جس خلوص۔ ایثار جس جوش اور ہمدردی سے اس کام میں حصہ لیا وہ اس قابل ہے کہ ہر مسلمان اس پر فخر کرے"
(زمیندار ۸ اپریل ۱۹۲۳ء)

"جو حالات فتنۂ ارتداد کے متعلق بذریعہ اخبارات علم میں آ چکے ہیں ان سے صاف واضح ہے کہ مسلمانان جماعت احمدیہ اسلام کی انمول خدمت کر رہے ہیں۔ جو ایثار اور کمربستگی۔ نیک نیتی اور توکل علی اللہ ان کی جانب سے ظہور میں آ رہا ہے۔ وہ اگر ہندوستان کے موجودہ زمانہ میں بے مثال نہیں تو بے انداز عزت اور قدر دانی کے قابل ضرور ہے۔ جہاں ہمارے مشہور پیر اور سجادہ نشین حضرات بے حس و حرکت پڑے ہیں وہاں اس اولوالعزم جماعت نے عظیم الشان خدمت کر کے دکھا دی ہے"
(زمیندار ۲۴ جون ۱۹۲۳ء)

فتنہ ارتداد کے زمانہ میں جماعت احمدیہ کی مساعی کو دشمن اسلام نے کس نظر سے دیکھا۔ اس کا اندازہ تحریک شدھی کے بہت بڑے محرک سوامی شردھانند کے اخبار تیج کے ان الفاظ سے لگائیے۔

"میرے خیال میں تمام مسلمانوں میں سے سب سے زیادہ ٹھوس کوشش اور مسلسل تبلیغی کام کرنے والی طاقت احمدیہ جماعت ہے۔ اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہم سب سے زیادہ اس کی طرف سے غافل ہیں۔ بلا مبالغہ احمدیہ تحریک ایک خوفناک آتش فشاں پہاڑ ہے جو بظاہر اتنا خوفناک معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے اندر ایک تباہ کن اور سیال آگ کھول رہی ہے جس سے اگر بچنے کی کوشش نہ کی گئی تو کسی وقت موقع پا کر ہمیں بالکل جھلس دے گی۔"
(تیج ۱۵ جولائی ۱۹۲۷ء)

قومی اتحاد کا زریں اصل

۱۹۲۸ء میں جب حضرت امام جماعت احمدیہ نے یہ محسوس کیا کہ مسلمانوں کا باہمی اختلاف انہیں تباہی کی طرف لے جا رہا ہے۔ اور ہندو اس اختلاف سے ہر موقع پر فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی بات منوانے کی کوشش کرتا ہے تو آپ نے ایک بصیرت افروز لیکچر ارشاد فرمایا جس میں مسلمانوں کو ان کی انفرادی اور قومی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے انہیں قومی اتحاد کی آپ نے نصیحت فرمائی۔ آپ نے فرمایا

"قومی ترقی چاہتے ہو تو مشترک امور میں ایک ہو جاؤ۔ ...... دنیاوی اور سیاسی معاملات میں بلا خیال فرقہ ایک ہو جانا چاہیئے۔ تاکہ ہمارے مطالبہ میں قوت اور اثر پیدا ہو اس بات کو اچھی طرح یاد رکھو کہ اختلاف [illegible] نہیں کرتا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جیسے رحمۃ اللعالمین وجود کے آنے پر بھی اختلاف رہا۔ اس لئے کہ وہ طبعی چیز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اختلاف امتی رحمۃ فرمایا تو اس سے ڈرنا اور گھبرانا کیوں؟ اختلاف کو رحمت بناؤ نہ کہ لعنت ...... بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب ایک دوسرے کو کافر کہنے کا سوال ہے تو اتحاد کیسے ہو؟ میں کہتا ہوں کہ یہ اعتراض غلط ہے۔ ایک شیعہ اگر مینار پر چڑھ کر دس ہزار مرتبہ کافر کہے یا کوئی اور دوسرے کو کافر کہے تو اس سے اتحاد پر اثر نہیں پڑنا چاہیئے؟ جب میں ایک ہندو سے مل کر گورنمنٹ سے متحدہ قومیت کے نام پر حقوق کا مطالبہ کر سکتا ہوں تو کس قدر شرم کی بات ہو گی کہ ہم مختلف فرقوں کے مسلمان اتحاد اسلامی کے رنگ میں اسلامی حقوق کا مطالبہ نہ کر سکیں میں نے مسلمانوں کو بارہا اتحاد اسلامی کی تحریک کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ اس قسم کے جھگڑوں میں اغراض مشترکہ میں اتحاد کے وقت نہ پڑیں۔ ہر شخص جو اپنے آپ کو مسلم کہتا ہے ہم اس سے اختلاف رکھتے ہوئے بھی اتحاد کریں۔ میں نے مسلمانوں کی جو سیاسی تعریف کی ہے اسے تمام دوسرے لوگوں نے بھی صحیح سمجھا ہے۔ غیر مسلموں کو تعجب ہوگا۔ اگر وہ اس حقیقت پر غور نہ کریں۔

میری بات کو اچھی طرح سمجھ لو۔ میرا فیصلہ یہ ہے کہ جو فرد اپنے آپ کو مسلم کہتا ہے اور قرآن مجید کی شریعت کو منسوخ قرار نہیں دیتا اس سے اتحاد کر لو۔ قومی برکات اور انعام قومی اتحاد کی روح سے وابستہ ہیں۔"

مندرجہ بالا اصول۔ مسلمانوں کی ترقی اور کامیابی کے لئے ایک اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وہ اصول ہے جس پر بعد میں قائد اعظم نے قومی اتحاد کی بنیاد رکھی۔ اور مسلمانوں کو ایک لڑی میں منسلک کر کے انہیں ایسی بنیان مرصوص بنا دیا کہ دشمن اس میں کوئی رخنہ نہ ڈال سکا۔ بلکہ وہ پاکستان کا مطالبہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا۔

آہ! قائد اعظم کی وفات سے صرف چار سال بعد آج اس قیمتی اور زریں اصل کو پھر مسلمان فراموش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

"جناب امام صاحب جماعت احمدیہ کے احسانات تمام مسلمانوں پر ہیں۔ .... اس وقت ہندوستان میں جتنے فرقے مسلمانوں کے ہیں۔ سب کسی نہ کسی وجہ سے انگریزوں یا ہندوؤں یا دوسری قوموں سے مرعوب ہو رہے ہیں۔ صرف ایک احمدی جماعت ہے جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح کسی فرد یا جمعیت سے مرعوب نہیں ہے اور خاص اسلامی کام سرانجام دے رہی ہے۔"
(اخبار مشرق گورکھپور ۲۳ ستمبر ۱۹۲۷ء)

نہرو رپورٹ پر تبصرہ اور جداگانہ انتخاب کا مطالبہ

جب پنڈت موتی لال نہرو کی "نہرو رپورٹ" کے ذریعے برادران وطن نے مسلمانوں کے حقوق کو پامال کرنا چاہا۔ اور حضرت امام جماعت احمدیہ نے محسوس فرمایا کہ مسلمان اس رپورٹ کے عظیم نقصان سے بے خبر ہیں تو آپ نے ایک کتاب "مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ" کے نام سے لکھی جس میں مسلمانان ہند کے مطالبات کی معقولیت واضح کی اس کتاب کی ایک بہت بڑی اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے اس میں مخلوط انتخاب کے نقصانات بتاتے ہوئے دلائل کے ساتھ ثابت کیا کہ چونکہ مسلمان ہر لحاظ سے ہندوؤں سے علیحدہ قوم ہیں۔ اور ہندو ان سے ہر معاملہ میں اچھوتوں کا سا سلوک کرتے ہیں اس لئے ان کے لئے جداگانہ انتخاب کا انتظام ہونا چاہیئے۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ مسلمانوں کے تقریباً تمام بڑے بڑے راہنما اور سیاسی جماعتیں مخلوط انتخاب کی حامی تھیں اور تو اور خود قائد اعظم بھی ابھی جداگانہ انتخاب کے خلاف تھے۔ اور چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کیا جائے۔

ہندوستان کی سیاسی تاریخ کو جاننے والے جانتے ہیں کہ ایک علیحدہ اسلامی حکومت کے تخیل کی بنیاد اسی دن پڑی تھی جس دن مسلمانوں نے اکثریت سے علیحدہ ہونے اور جداگانہ انتخاب کا مطالبہ شروع کیا۔ اس لحاظ سے ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ ... مطالبہ پاکستان کا تخیل پیش کرنے والوں میں سے ایک تھے۔ آپ اس کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہندوستان میں اقلیت اور اکثریت کے تعلقات نہایت اہم ہیں۔ اور اکثریت کا تعلق اقلیت سے گذشتہ تجربہ اور آئندہ ارادوں کے بنا پر ایسا نظر آتا ہے کہ اسے اکثریت کے سپرد نہیں کیا جا سکتا" (ص۱۴۸)

"مسلمانوں کے لئے اکثریت نے عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے جن کی موجودگی میں صرف ایک دوسرے پر اعتبار کرنے کو حفاظت کا ذریعہ نہیں سمجھا جا سکتا" (ص۵۱)

"علیحدہ نمائندگی کے بغیر نہ کمیت کے لحاظ سے اور نہ کیفیت کے لحاظ سے مسلمانوں کا حق انہیں مل سکتا ہے جس کے دوسرے لفظوں میں یہ معنے ہیں کہ اس ملک میں اکثریت اقلیت کے حقوق تلف کرنے کے لئے اپنی ساری قوت خرچ کر دیتی ہے۔ ان حالات میں علیحدہ نمائندگی کا حق کوئی رعایت نہیں ... بلکہ یہ طریق صرف ان کے جائز حقوق کی حفاظت کا ایک ذریعہ ہے" (ص۱۳۶)

ان امور کی صداقت ظاہر و باہر ہے۔ حق یہ ہے کہ یہی وہ امور ہیں جن کی بنیاد پر بعد میں مطالبہ پاکستان کیا گیا۔

ایک اور اہم تصنیف

جب ۱۹۳۰ء میں پہلی گول میز کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو اس وقت حالت یہ تھی کہ برطانوی حکومت اور عوام کانگریس اور ہندوؤں کے نقطۂ نگاہ سے تو خوب واقف تھے۔ لیکن مسلمانوں کے مطالبات کی معقولیت واضح کرنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ حضرت امام جماعت احمدیہ نے اس خطرناک صورت حالات کو محسوس فرمایا اور آپ نے ایک ضخیم کتاب "ہندوستان کے موجودہ سیاسی مسئلہ کا حل" تصنیف فرمائی۔ اس کتاب میں آپ نے نہایت مؤثر پیرایہ میں دلائل کے ساتھ مسلمانوں کے مطالبات کو پیش فرمایا۔ اس کتاب کو کتنی اہمیت حاصل ہوئی اور مسلمان راہنماؤں نے اسے کس نظر سے دیکھا اس کے لئے چند ایک مسلمان لیڈروں اور اخبارات کی رائے ملاحظہ ہو۔

(۱) ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب آف علیگڑھ نے لکھا:۔
"میں نے جناب کی کتاب نہایت دلچسپی سے

"ہر احمدی مسلم لیگ کو ووٹ دے۔ تاکہ انتخابات کے بعد مسلم لیگ کانگریس سے بلاخوف و تردید کہہ سکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ ہے۔ اگر ہم اور دوسری جماعتیں ایسا نہ کریں تو مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کمزور ہو جائے گی۔"
(حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ)

پڑھی ہے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس کی یورپ میں بکثرت اشاعت فرمائیں ہر ایک ممبر پارلیمنٹ کو ایک ایک نقل ضرور بھیج دی جائے اور انگلستان کے ہر مدبر اخبار کو بھی ایک ایک نسخہ ارسال فرمایا جائے۔ اس کتاب کی ہندوستان کی نسبت انگلستان میں زیادہ ضرورت ہے۔ جناب نے اسلام کی ایک اہم خدمت سرانجام دی ہے۔"

(۲) سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون صاحب ایم ایل اے کراچی نے لکھا:۔

"میری رائے میں سیاست کے باب میں جس قدر کتابیں ہندوستان میں لکھی گئی ہیں۔ ان میں کتاب "ہندوستان کے سیاسی مسائل کا حل" بہترین تصانیف میں سے ہے"

(۳) علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے لکھا:۔

"تبصرہ کے چند مقامات کا میں نے مطالعہ کیا ہے نہایت عمدہ اور جامع ہے۔"

(۴) اخبار انقلاب نے ۱۶ نومبر ۱۹۳۰ء کے پرچہ میں لکھا ہے:۔

"جناب مرزا صاحب نے اس تبصرہ کے ذریعہ سے مسلمانوں کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے یہ بڑی بڑی اسلامی جماعتوں کا کام تھا جو مرزا صاحب نے انجام دیا۔"

(۵) مدیر سیاست نے اپنی اشاعت مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۳۰ء میں لکھا ہے:۔

"مذہبی اختلافات کی بات چھوڑ کر دیکھیں تو جناب بشیر الدین محمود احمد صاحب نے میدان تصنیف و تالیف میں جو کام کیا ہے وہ بلحاظ ضخامت و افادہ ہر تعریف کا مستحق ہے اور سیاسیات میں اپنی جماعت کو عام مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو چلانے میں آپ نے جس اصول عمل کی ابتدا کر کے اس کو اپنی قیادت میں کامیاب بنایا ہے وہ بھی ہر منصف مزاج مسلمان اور حق شناس انسان سے خراج تحسین وصول کر کے رہتا ہے۔ آپ کی سیاست کا ایک زمانہ قائل ہے۔"

مطالبہ پاکستان کی حمایت

طوالت کے خوف سے ہم بہت سے واقعات کو چھوڑتے ہوئے ۱۹۴۰ء میں پہنچتے ہیں جبکہ

لاہور کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنے سالانہ اجلاس کے موقعہ پر پاکستان کی قرارداد منظور کی اور اس طرح برّ اعظم کی سیاسیات میں ایک نیا اور ہنگامہ خیز دور شروع ہوا

جماعت احمدیہ نے جب دیکھا کہ برادران وطن کا رویہ اس قسم کا ہے کہ علیحدگی کے سوا چارہ نہیں تو اس نے مطالبہ پاکستان کی حمایت کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ دوست دشمن جانتے ہیں کہ قرارداد پاکستان کے بعد جب ملک میں انتخابات ہوئے تو حضرت امام جماعت احمدیہ نے مسلم لیگ کے حق میں ووٹ دینے

اور اس کی مدد کرنے کا ارشاد فرمایا۔ کتاب "حالات قائد اعظم" کے مصنف خالد اختر افغانی اپنی کتاب کے صفحہ ۱۳۴ پر "قادیانی اور پاکستان" کے عنوان سے لکھتے ہیں:۔

"۲۱ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ قادیان نے بیان دیتے ہوئے کہا کہ "ہر احمدی مسلم لیگ کو ووٹ دے تاکہ انتخابات کے بعد مسلم لیگ کانگرس سے بلاخوف تردید کہہ سکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ ہے۔ اگر ہم اور دوسری جماعتیں ایسا نہ کریں تو مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کمزور ہو جائے گی" اسی طرح حضرت امام جماعت احمدیہ نے اعلان فرمایا کہ "ہم پاکستان کی حمایت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کا جائز حق ہے جو انہیں ملنا چاہئیے اور حق کی تائید میں ہمیں پھانسی پر بھی لٹکا دیا جائے تو یہ ہمارے لئے موجب راحت ہوگا۔" (الفضل ۱۹ مئی ۱۹۴۷ء)

عبوری حکومت میں شمولیت کے سلسلے میں مساعی

۱۹۴۶ء میں انگلستان میں لیبر پارٹی نے برسر اقتدار آ کر یہ فیصلہ کیا کہ ہندوستان کو جلد سے جلد آزاد کر دیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک اہم قدم یہ اٹھایا گیا کہ ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں پر مشتمل ایک عبوری حکومت قائم کر دی گئی۔ کانگرس تو اس میں شامل ہو گئی لیکن مسلم لیگ نے علیحدہ رہنا پسند کیا۔ مسلم لیگ کی علیحدگی کی وجہ سے کانگرس یہ کوشش کرنے لگی کہ احرار کی قسم کے چند زرخرید مسلمانوں کو عبوری حکومت میں شامل کر کے انہیں مسلمانوں کے نمائندے ظاہر کر دیا جائے۔

اس موقعہ پر حضرت امام جماعت احمدیہ نے محسوس کیا کہ کانگرس کی یہ کوشش مسلمانوں کے مفاد کے لئے سخت نقصان دہ ثابت ہوگی۔ چنانچہ آپ نے دہلی جا کر کانگرس کے چند ایک زرخرید مسلمانوں کے سوا باقی تمام ایسے مسلمان لیڈروں کو جو مسلم لیگ سے باہر تھے اس امر پر متفق کر لیا کہ وہ گورنمنٹ پر واضح کر دیں کہ قائد اعظم ہی سب مسلمانوں کے نمائندے ہیں۔ اس مساعی کو قائد اعظم نے نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ اس کے بعد آپ نے جناب قائد اعظم سے دو دفعہ طویل ملاقاتیں فرمائیں اور انہیں عبوری حکومت میں شامل ہونے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ آپ کی سعی بارآور ہوئی اور مسلم لیگ نے عبوری حکومت میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ فیصلہ بعد میں قیام پاکستان کے لئے شاہراہ ثابت ہوا۔

خضر حیات خاں کا استعفےٰ

۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو برطانی حکومت نے یہ اعلان کیا کہ "جون ۱۹۴۸ء تک تمام اختیارات ہندوستان کے سپرد کر دیئے جائیں گے"

اس اعلان کے وقت پوزیشن یہ تھی کہ پنجاب میں ملک خضر حیات خاں نے سکھوں اور ہندوؤں کی مدد

سے وزارت قائم کر رکھی تھی جس کی وجہ سے یہ ناممکن نظر آتا تھا کہ پنجاب اسمبلی کی اکثریت قیام پاکستان کے حق میں ووٹ دے سکے اور یہ امر بالکل واضح تھا کہ پنجاب کے فیصلہ کے بغیر پاکستان بننے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس کیفیت کے پیش نظر مسلم لیگ کے ایک وفد نے ملک خضر حیات خاں سے ملاقات کر کے انہیں مسلم لیگ کی تائید کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالےٰ نے اس اہم روک کو دور کرنے کے لئے ایک خط ملک خضر حیات خاں کو لکھا نیز چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو ان کے پاس بھیجا۔ آخر حضور کی یہ مساعی کامیاب ہوئی اور ۳۰ مارچ ۱۹۴۷ء کو ملک خضر حیات خاں نے اپنی وزارت سے مستعفی ہونے کا اعلان کر کے مسلم لیگ کے لئے میدان ہموار کر دیا۔ چنانچہ ۵ مارچ کے ٹریبیون نے لکھا: "معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ خضر حیات خانصاحب نے یہ فیصلہ سر محمد ظفر اللہ خاں کے مشورہ اور ہدایت کے مطابق کیا۔ کہا جاتا ہے کہ مسلم لیگ کی تازہ ایجی ٹیشن کے دوران میں جماعت احمدیہ کے امام نے خضر حیات خاں کو خط لکھا کہ وہ لیگ کے سامنے جھک جائیں۔ یہ خط سر محمد ظفر اللہ خاں کے ذریعہ بھیجا گیا تھا۔ جنہوں نے اپنے امام کی ہدایت کی پرزور تائید کی۔ ملک خضر حیات خاں صاحب نے سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو لاہور مشورہ کے لئے بلایا۔ جس کے بعد ملک صاحب نے وہ بیان دیا جو کہ اخبارات میں شائع ہوا۔"

ملک خضر حیات خاں کے استعفےٰ پر قائد اعظم نے بیان دیتے ہوئے فرمایا

"مجھے آج صبح یہ سن کر خوشی ہوئی ہے کہ ملک خضر حیات خاں نے اپنا اور اپنے کابینہ کا استعفےٰ داخل کر دیا ہے۔ ان کا یہ فیصلہ دانشورانہ ہے۔ اور مجھے توقع ہے کہ ڈاکٹر خانصاحب اس نیک مثال کی تقلید کریں گے۔"

الغرض قیام پاکستان کے آخری مرحلہ پر پنجاب کی یونینسٹ وزارت نے جو اہم روک پیدا کی۔ اللہ تعالیٰ [illegible] بھی حضرت امام جماعت احمدیہ ہی کے ذریعہ سے [illegible] فرمایا۔ الحمد للہ۔

باؤنڈری کمیشن میں چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کی بحث

قیام پاکستان کے اعلان کے بعد جب پاکستان اور ہندوستان کی حدود متعین کرنے کے لئے معاملہ باؤنڈری کمیشن کے سامنے پیش ہوا تو اس وقت بھی جناب قائد اعظم کی بالغ نظری نے مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے لئے جماعت احمدیہ کے ایک ہونہار فرزند یعنی چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کو منتخب فرمایا۔ یہ الگ بات ہے کہ ریڈکلف نے اپنے ایوارڈ میں مسلمانوں کے حقوق کو بری طرح پامال کیا۔ لیکن جہاں تک مسلمانوں کی طرف سے معاملہ پیش کرنے کا تعلق ہے چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب نے جس قابلیت سے مسلمانوں [illegible] کی۔ اس کا

اندازہ نوائے وقت کے اس اقتباس سے لگائیے۔

"چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کی خدمات"

حد بندی کمیشن کا اجلاس ختم ہوا ...... چار دن چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب نے مسلمانوں کی طرف سے نہایت مدلل۔ نہایت فاضلانہ اور نہایت معقول بحث کی۔ کامیابی بخشنا خدا کے ہاتھ میں ہے۔ مگر جس خوبی اور قابلیت کے ساتھ سر محمد ظفر اللہ خانصاحب نے مسلمانوں کا کیس پیش کیا۔ اس سے مسلمانوں کو اتنا اطمینان ضرور ہو گیا کہ ان کی طرف سے حق و انصاف کی بات نہایت مناسب اور احسن طریقہ سے ارباب اختیار تک پہنچا دی گئی ہے۔ سر ظفر اللہ خانصاحب کو کیس کی تیاری کے لئے بہت کم وقت ملا ہے۔ مگر اپنے خلوص اور قابلیت کے باعث انہوں نے اپنا فرض بڑی خوبی سے ادا کیا۔ ہمیں یقین ہے کہ پنجاب کے سارے مسلمان بلالحاظ عقیدہ ان کے اس کام کے معترف اور شکر گذار ہوں گے۔"

(روزنامہ نوائے وقت مورخہ یکم اگست ۱۹۴۷ء)

الغرض برعظیم ہند و پاکستان کی جدوجہد آزادی کے مختلف ادوار میں جماعت احمدیہ اور اس کے مقدس امام ایدہ اللہ تعالےٰ نے ہمیشہ مسلمانوں کی صحیح راہنمائی کی اور اپنے دائرہ عمل کے لحاظ سے جہاں تک ہو سکتا تھا مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے اپنی مساعی کو وقف رکھا۔

دعائے مغفرت

یہ خبر افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ ابوالمنیر مولوی نورالحق صاحب پروفیسر جامعۃ المبشرین کی والدہ صاحبہ اہلیہ منشی عبدالحق صاحب خوشنویس جو دو تین روز سے بعارضہ فالج بیمار تھیں آج اڑھائی بجے بعد دوپہر لاہور میں وفات پا گئیں۔ احباب کرام دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ مرحومہ کو مغفرت عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ مرحومہ کا ایک بچہ مولوی سراج الحق مبلغ سلسلہ قادیان میں درویشوں میں ہے احباب انکو بھی دعاؤں میں یاد رکھیں

اگر قائدِ اعظمؒ زندہ ہوتے!

(مسعود احمد)

ایک پاکستانی قوم کی حیثیت سے آج احتساب کا انتہائی سادہ اور آسان طریق یہ ہے کہ ہم اپنی پانچ سالہ کارگذاریوں پر نگاہ ڈالکر سوچیں کہ اگر قائد اعظم زندہ ہوتے تو کیا حالات وواقعات اور ان کے مقابلے میں ہماری روش اور طرزِ عمل کی یہی حالت ہوتی جو آج ہے۔ ہم سوچیں اور سنجیدگی سے سوچیں کہ ایسی صورت میں ہماری تعمیری جدوجہد کی نوعیت کیا ہوتی اور پھر اس کا مقابلہ موجودہ حالات سے کرکے اپنی لغزشیں اور کوتاہیاں معلوم کریں اور ان کو دور کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو جائیں

آج ہم اپنی آزادی کی پانچویں سالگرہ منا رہے ہیں۔ اب یہ دن ہمارے ہاں ایک قومی تہوار کی صورت اختیار کر چکا ہے اُس دن کی یاد کہ جب ہمیں آزادی میسر آئی۔ ہم میں سے ہر چھوٹے بڑے کو خوشی و انبساط سے بھر دیتی ہے اور سال کے سال پاکستان میں ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک مسرت و شادمانی کا ایسا دور دورہ ہوتا ہے کہ گھر گھر میں عید کا سماں بندھ جاتا ہے اور وہ جشن منایا جاتا ہے کہ جس کے آگے جشنِ صد بہاراں بھی ماند پڑ جائے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ آزادی کی نعمت کوئی معمولی نعمت نہیں ہے۔ اس کا ملنا اور میسر آنا محض اتفاقات پر ہی مبنی نہیں۔ بلکہ اس کی بنیاد صدیوں کی محنت، خونچکانی اور عرق ریزی پر قائم ہوتی ہے۔ اور قربانی و ایثار کے زندہ جاوید مظاہرے اس پر آزاد و خود مختار مملکت کی ایک مضبوط عمارت تعمیر کرتے ہیں۔ بھلا ایسی نعمت عظمیٰ کے حصول پر خوشی کیوں نہ منائی جائے اور کیوں نہ سال کے سال پاکستان میں خوشی و انبساط کا ایسا دور دورہ ہو کہ گھر گھر عید کا سماں بندھ جائے۔

ایک اور پہلو

لیکن حصولِ آزادی اور اس کی خوشی میں جشن منانے کا ایک پہلو اور بھی ہے۔ اور اس کی بنیادی اہمیت کے باوجود ہم میں سے اکثر کی نگاہیں اس کی طرف نہیں اٹھتیں۔ وہ اہم ترین پہلو یہ ہے کہ حصول آزادی کے بعد حکمرانی کے مواقع میسر آنے میں خدا تعالیٰ کی ایک خاص مشیت کارفرما ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

قل اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء۔ بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر ؁

(آل عمران رکوع ۳)

یعنی کہہ اے اللہ تو دیتا ہے ملک جسے چاہے اور چھین لیتا ہے ملک جس سے چاہے اور عزت دیتا ہے جس کو تو چاہتا ہے۔ اور ذلیل کرتا ہے جسے تو چاہتا ہے۔ تیرے ہاتھ میں خیر ہے۔ اور یقیناً تو ہر شے پر پورا پورا قادر ہے۔

دراصل جب خدا تعالیٰ کسی قوم کو نوازنا چاہتا ہے۔ تو اس کی تقدیر خاص صدیوں پہلے لوگوں کے دلوں میں حصولِ آزادی کی ایک بے حقیقت سی چنگاری سلگا دیتی ہے۔ پھر وہ چنگاری صدیوں کے اتار چڑھاؤ کے بعد اندر ہی اندر سلگتے سلگتے ایک مہیب آگ کی صورت اختیار کرتی، در دفعت آنے پر گرد و پیش کو جلا کر رکھ دیتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک نئی آزاد و خود مختار مملکت معرضِ وجود میں آکر ایک نئے نظام کی بنیاد ڈالنے کا موجب بنتی ہے۔ ایک نئی مملکت کی تاسیس اور ایک نئے نظام کی تنفیذ ہی کا دوسرا نام آزادی ہے۔ اب کوتاہ نظر اور ظاہر بین لوگ اپنی جدوجہد اور کوشش پر تو نگاہ رکھتے ہیں۔ لیکن تقدیر خاص کی کارفرمائی سے یکسر غافل ہو کر بھول جاتے ہیں کہ ہماری کوششیں اور ہماری قربانیاں اگر بار آور ہیں۔ تو اسی تقدیر خاص کی بدولت ہیں اگر خدا تعالیٰ کی مشیت ساتھ نہ دے تو پھر یہ کوششیں اور یہ قربانیاں بالکل بے نتیجہ ثابت ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ وہی خدا جو ملک عطا کرتا ہے نا اہلی کی بناء پر چھین بھی سکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ تؤتی الملک من تشاء کے ساتھ ہی فرماتا ہے و تنزع الملک ممن تشاء یعنی خدا جس سے چاہتا ہے ملک چھین بھی لیتا ہے۔

تقدیرِ الٰہی کے تقاضے

پس آج کے دن محض اپنی کوششوں اور قربانیوں کے خوشکن نتائج پر اس حال میں جشن منانا کہ ان خوشکن نتائج کے پس پردہ تقدیرِ الٰہی کی کارفرمائیوں سے ہم غافل ہوں، ہم کو ہرگز زیب نہیں دیتا بلکہ چاہیئے یہ کہ ہم اس امر کا احساس کرتے ہوئے کہ قیام پاکستان اور اس کے استحکام میں خدا تعالیٰ کی ایک ازلی و ابدی تقدیر کام کر رہی ہے اس الٰہی تقدیر کے تقاضوں کو پورا کرنے والے بنیں اور اپنے اعمال و افکار میں اسباب کو ہر دم مدنظر رکھیں۔ کہ خدا تعالیٰ کی وہ تقدیر جو تؤتی الملک من تشاء اور و تعز من تشاء کے ساتھ وابستہ ہے ہمیشہ جاری رہے۔ اور خدا وہ وقت نہ لائے کہ ہماری کوششیں بے نتیجہ ثابت ہو کر ہم کو و تنزع الملک ممن تشاء اور و تذل من تشاء کی تقدیر کے ساتھ وابستہ کر دیں۔

تقاضوں کو پورا کرنیکا طریق

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی تقدیر خاص کے مخصوص تقاضوں کو کس طرح پورا کیا جائے سو اس کا ایک طریق یہ ہے کہ ہم جشن منانے پر ہی اکتفا نہ کریں۔ بلکہ اس دن کو اپنے لئے انفرادی اور اجتماعی احتساب کا دن بنائیں اور سنجیدگی سے سوچیں کہ جس قومی نصب العین کے لئے ہم نے قربانیاں دی تھیں۔ اور جس کے حصول کی خاطر ہم نے قائد اعظم کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر ہمیشہ ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا ــــ قیام پاکستان کے بعد ہم اس نصب العین کے کس حد تک قریب پہنچ چکے ہیں۔ یہاں پھر سوال پیدا ہو گا کہ احتساب کا معیار کیا ہو۔ اور اس کا طریق کار کیا۔ اس مسئلہ کے دینی پہلو سے قطع نظر اگر خالص دنیوی نقطۂ نظر سے ہی اس سوال پر غور کیا جائے تو احتساب کا انتہائی سادہ اور آسان طریق یہ ہو گا۔ کہ ہم اپنی پانچ سالہ کارگذاریوں پر نگاہ ڈال کر سوچیں کہ اگر آج قائد اعظم زندہ ہوتے۔ تو کیا حالات و واقعات اور ان کے مقابلے میں ہمارے طرز عمل کی یہی رفتار ہوتی جو آج ہے ہم سوچیں اور سنجیدگی سے سوچیں کہ اگر قائد اعظم کی وفات واقع نہ ہوئی ہوتی تو ہماری تعمیری جدوجہد کی نوعیت کیا ہوتی اور پھر اس کا مقابلہ اپنے موجودہ حالات سے کرکے اپنی لغزشیں اور کوتاہیاں معلوم کریں۔ اور ان کو دور کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو جائیں۔ اور اگر ہمارا طور و طریق قائد اعظم کے طور و طریق اور اسلوب کے عین مطابق ہے تو پھر ہمارے لئے فکر کی کوئی بات نہیں اور ہم سے زیادہ خوشی منانے کا اور کوئی حقدار نہیں۔

ہمہ گیر جائزہ

یہاں یہ امر مدنظر رہے کہ احتساب اس کو نہیں کہتے کہ انسان اپنی کامیابیاں اور کامرانیاں شمار کر کر کے خوش ہوتا رہے بلکہ احتساب نام ہے ایک ہمہ گیر جائزے کا ایک ایسے جائزے کا جس میں نگاہ کامیابیوں اور کامرانیوں پر ہی جا کر نہ رک جائے

(باقی صفحہ ۹ پر)

ہندوستانی اخبارات کے دلخراش طعنوں کو جانے دیجئے خود اپنے دل سے پوچھیئے کہ آج قائد اعظمؒ کا قائم کردہ اتحاد کہاں ہے؟ وہ بنیانِ مرصوص کی کیفیت جس نے اغیار کے دلوں پر رعب طاری کر دیا تھا کدھر گئی؟ اگر ہے اور پوری شان کے ساتھ اسی طرح موجود ہے تو پھر یہ شیعہ سنّی وہابی چکڑالوی اور احمدی و غیر احمدی کے جھگڑے کیوں نظر آرہے ہیں۔ گروہوں اور جماعتوں کو اقلیت قرار دلانے اور اکثریت کے زعم میں انہیں تشدد آمیز دھمکیاں دینے کا مطلب کیا ہے؟ کیا قائد اعظم کی وفات کے بعد اتحاد و اتفاق کے معنی بدل گئے ہیں اور تنظیم کا مفہوم کچھ اور ہو گیا ہے؟ سوچئے اور بار بار سوچئے کہ اگر آج قائد اعظم زندہ ہوتے تو کیا کسی میں اتنی جرأت تھی کہ وہ اتحاد کے نام پر نفاق کی یوں کھلے بندوں تبلیغ کرتا جس طرح آج کی جا رہی ہے۔

"ہم خوف و خطر اور پریشانی کے دور میں سے گذر رہے ہیں۔ اتحاد، تنظیم اور یقین کا ہونا ہمارے لئے ازحد ضروری ہے"

قائد اعظم (۲۷ دسمبر ۱۹۴۷ء)

بلکہ وہ کوتاہیوں اور لغزشوں پر بھی پڑے۔ اور پھر ان کے بواعث و عواقب بھی ہمارے سامنے آجائیں۔ جب اس نقطۂ نگاہ سے ہم حالات کا جائزہ لیتے ہیں۔ تو ہمیں صورت حال چنداں امید افزا نظر نہیں آتی۔ حاشا و کلا اس سے یہ مراد نہیں ہے، کہ تعمیر و ترقی کا خانہ خالی ہے۔ پاکستان نے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں جو نمایاں ترقی کی ہے۔ وہ ہمارے لئے فخر کا باعث ہے۔ اور انشاء اللہ آئندہ نسلوں کے لئے مشعلِ راہ کا کام دیگی۔ لیکن کامیابیوں اور کامرانیوں کے نشے میں چور ہو کر لغزشوں سے آنکھیں بند کرنا خود اپنے ساتھ دشمنی کرنے کے مترادف ہے۔ چھوٹی چھوٹی لغزشیں اور کوتاہیاں تو نظرانداز کی جاسکتی ہیں۔ لیکن بنیادی نوعیت کی لغزشوں کو کسی صورت بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان سے اغماض دوستوں کا نہیں دشمنوں کا شیوہ ہے۔ ہم اگر پاکستان کی جدوجہد کے بنیادی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی روش کا جائزہ لیں۔ تو ہمیں طوعاً و کرہاً ایک افسوسناک صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑے گا۔

پاکستان کی بنیاد

سوچیئے اور غور کیجئے پاکستان کی بنیاد کس بات پر تھی۔ کون ہے جو اس سے انکار کر سکتا ہے۔ کہ اسکی بنیاد خود قائد اعظم کے الفاظ میں "**اتحاد تنظیم اور یقین**" پر رکھی گئی تھی۔ کیا واقعی یہ بنیاد اسی طرح مضبوطی سے قائم ہے۔ جس طرح مضبوطی سے قائد اعظم نے اسے قائم کیا تھا۔ ذرا خوش فہمی کے گنبدوں سے باہر نکل کر دیکھیے۔ اور "واہ واہ" اور "چشم بد دور" وغیرہ الفاظ کی خوش آئند گونج کے سن کر دینے والے اثرات سے کانوں کو پاک کر کے سنیئے۔ کہ آپ کے اتحاد و تنظیم کا حال کیا ہے۔ اور دنیا آپ پر کیا پھبتیاں کس رہی ہے!

افسوسناک صورتِ حال

چلیئے اس ضمن میں ہندوستانی اخبارات کے دلخراش طعنوں کو بھی جانے دیجئے۔ خود اپنے دل سے پوچھیئے۔ کہ آج قائد اعظم کا قائم کردہ اتحاد کہاں ہے؟ وہ بنیانِ مرصوص کی کیفیت جس نے اغیار کے دلوں پر رعب طاری کر دیا تھا۔ کدھر گئی؟ اگر ہے۔ اور پوری شان کے ساتھ اسی طرح موجود ہے۔ تو پھر یہ شیعہ سنی۔ وہابی۔ چکڑالوی اور احمدی و غیر احمدی کے جھگڑے کیوں نظر آرہے ہیں؟

گروہوں اور جماعتوں کو اقلیت قرار دلانے اور اکثریت کے زعم میں انہیں قتل و غارت کی دھمکیاں دینے کا مطلب کیا ہے؟ کیا قائد اعظم کی وفات کے بعد **اتحاد و اتفاق** کے معنی بدل گئے ہیں۔ اور **تنظیم** کا مفہوم کچھ اور ہو گیا ہے؟ سوچیئے اور بار بار سوچیئے کہ **اگر آج قائد اعظم زندہ ہوتے** تو کیا کسی مائی کے لال میں اتنی جرأت تھی۔ کہ وہ اتحاد کا نام لے کر نفاق کی یوں کھلے بندوں تبلیغ کرتا۔ جس طرح آج کی جارہی ہے۔ اگر وسیع پیمانے پر اشتعال انگیزی کے ذریعہ قتل و غارت کی دھمکیاں نہیں دی گئیں۔ تو جگہ جگہ دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اور بعض مقامات پر پولیس اور فوج کیوں بلانی پڑی؟ اگر قائد اعظم زندہ ہوتے۔ تو کیا یہ ممکن تھا۔ کہ مسلم لیگ یا اس کی کوئی شاخ قائد اعظم کے قائم کردہ اتحاد پر ضرب لگانے کے لئے کسی گروہ کو اقلیت قرار دینے کے سوال پر غور کرنے کا خیال بھی دل میں لاتی؟ یہ دوسری بات ہے۔ کہ پنجاب کے بیدار مغز وزیر اعلیٰ اور صوبائی لیگ کے صدر میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے لیگ کونسل میں اس تحریک کو منظور ہونے نہیں دیا۔ لیکن یہ کیا کم ہے۔ کہ مسلمانوں کی وہ سیاسی تنظیم جو دس کروڑ مسلمانوں کے ناقابل تسخیر اتحاد کی آئینہ دار تھی۔ خود نفاق انگیز تحریکوں پر غور کرنے کی روادار بن گئی؟ کیا یہی فتنہ قائد اعظم کے زمانہ میں سر اٹھانے پر کچل نہیں دیا گیا تھا؟ کیا اسی لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں مولوی عبدالحامد بدایونی کی اسی فتنہ انگیزی پر قائد اعظم نے انہیں ڈانٹ کر خاموش نہیں کرا دیا تھا۔ اور کیا وہ بن کھلے مرجھا کر نہیں رہ گئے تھے؟

اس صورتِ حال کی وجوہات

طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس افسوسناک صورتِ حال کی جو پاکستان کی بنیاد اسکی سالمیت اور استحکام پر ضرب لگا رہی ہے وجہ کیا ہے؟ وجہ خواہ کچھ ہی ہو۔ ہمیں اپنی کارگذاریوں کا ہمہ گیر جائزہ لیتے وقت پھر اسی نقطۂ نگاہ سے غور کرنا چاہیئے۔ کہ اگر قائد اعظم زندہ ہوتے۔ تو کیا ایسی ایسی وجوہات پیدا ہو سکتی تھیں۔ جو ملک میں اتنا بڑا فساد عظیم برپا کرنے کا موجب بن جاتیں۔ وجوہات مجسم صورت میں اُس وقت بھی موجود تھیں۔ لیکن قائد اعظم نے انہیں بے اثر بنا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اپنے دم خم کے باوجود مفلوج ہو کر رہ گئی تھیں۔ غور کا مقام ہے کہ اگر قائد اعظم زندہ ہوتے تو کبھی ممکن تھا۔ کہ وہ لوگ جنہوں نے قیام پاکستان کی مخالفت میں اپنا دین ایمان جسم و جان سب کچھ بیچ دیا تھا۔ وہ ملک میں اس طرح دندناتے ہوئے نظر آتے جس طرح آج وہ بے ناتھے بیل کی طرح پھر رہے ہیں۔ کیا ان کے لئے ممکن تھا۔ کہ وہ اپنی نفاق انگیز پول کی وجہ سے پاکستان کی بنیاد پر ہی ضرب لگانے کی جرأت کرتے۔ سچ یہ ہے۔ کہ اگر آج قائد اعظم زندہ ہوتے۔ تو یقیناً وہ لوگ جن کے سرگروہ نے کمال درجہ زعم کا زعم کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا۔

"کسی ماں نے ایسا بچہ ہی نہیں جنا۔ جو پاکستان کی پ بھی بنا سکے۔" (جدید نظام استقلال نمبر ۱۹۵۰ء)

آج بھی اپنے بخارائی پیر کی تقلید میں یہی کہتے نظر آتے "میں نے قائد اعظم کے بوٹ پر اپنی داڑھی رکھی پر وہ نہ پسیجے"۔ آزاد ۱۴ر نومبر ۱۹۴۹ء

اور یقیناً حسرت و یاس کا یہ کلمہ آج بھی ان کی زبان پر ہوتا۔

"ہم نے دو دفعہ لیگ میں گھسنے کی کوشش کی تاکہ اس پر قبضہ جمائیں۔ لیکن دونوں دفعہ قاعدے اور قانون نئے بنا دیئے گئے۔ تاکہ ہم بیکار ہو جائیں۔" (خطبات احرار صفحہ ۹۵)

نتائج و عواقب

لیکن ہوا کیا؟ قائد اعظم کی وفات کے بعد چند سیاسیئین نے یہ سمجھ کر کہ اب ان کا زہر مر چکا ہے۔ ان مہلک کیڑوں کو مسلم لیگ میں داخل کیا۔ نہ صرف داخل کیا۔ بلکہ انہیں ذاتی نوعیت کی مخصوص سیاسی اغراض کی تکمیل کے لئے کھلی چھٹی بھی دے دی۔ نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے۔ کہ معاشرے کا ایک بڑا حصہ فسادِ خون میں مبتلا ہو کر ان کے زہرباد کا شکار ہو بیٹھا ہے۔ بقول لیگ کشمیر جل رہا ہے۔ ہم اپنے دریاؤں کے پانی سے محروم کئے جارہے ہیں۔ ہماری زراعت خطرے میں ہے۔ ہمارے جیسا زرخیز ملک بھی غذائی بحران سے دوچار ہوتا جارہا ہے۔ ہماری آواز کو بے اثر کرنے کے لئے اسلامی ممالک کو ہم سے برگشتہ کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ ایسے ایسے خطرات سر پر منڈلا رہے ہیں۔ اور ہم ہیں کہ ان سے آنکھیں بند کئے چند خوش گلو مجمع بازوں کی سریلی آواز اور اس کے زیر و بم کی داد دینے میں مصروف ہیں۔ جو ہمیں نفاق و افتراق پر ابھار ابھار کر پاکستان کا شیرازہ بکھیر رہے ہیں۔ اور دل ہی دل میں خوش ہیں۔ کہ پاکستان کے دشمنوں کو منہ مانگی مراد مل رہی ہے۔ یہ کیوں ہوا؟ اس لئے کہ ہم نے قدم قدم پر یہ سوچنا چھوڑ دیا۔ کہ اگر قائد اعظم زندہ ہوتے تو کیا کرتے۔ قائد اعظم سے ذہنی رشتہ توڑنے کا جو نتیجہ ہو سکتا تھا۔ وہ آج قوم کے سامنے ہے۔

اس میں شک نہیں۔ پاکستان کی رفتارِ ترقی خوشکن ہے۔ جہاں ایک طرف مالی استحکام دنیا کے لئے رشک کا باعث ہے۔ وہاں ہماری افواج اور ان کا دفاعی نظام کچھ کم قابلِ داد نہیں۔ اسی طرح بیرونی تعلقات کی استواری اور یو۔این۔او میں ہمارے وفود کے کارہائے نمایاں اور ان کے تذکرے کیا اپنے اور کیا بیگانے سب کی زبانوں پر ہیں۔ اسی طرح صنعت و حرفت تجارت۔ زرعی نظام اور مواصلات میں توسیع و ترقی کے منصوبوں پر عملدر آمد اور بالخصوص تھل کی آبادکاری کا حیرت انگیز کارنامہ ہماری جدوجہد کے وہ شاندار پہلو ہیں۔ کہ جن پر ہم بجا طور پر اطمینان کا اظہار کر سکتے ہیں۔ لیکن اندرونی خلفشار اور قائد اعظم سے ذہنی بُعد اختیار کرنے کی خطرناک ذہنیت کی موجودگی میں اس تمام تعمیر و ترقی کی کیا قیمت اور وقعت رہ جاتی ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ خطرناک رجحانات اس تمام کئے کرائے پر پانی پھیر کر نہ دکھدیں گے۔ پس آج جبکہ

خطرات سر پر منڈلا رہے ہیں اور ہم ہیں کہ ان سے آنکھیں بند کئے ان چند خوش گلو مجمع بازوں کی سریلی آواز اور اس کے زیر و بم کی داد دینے میں مصروف ہیں۔ جو ہمیں نفاق و افتراق پر ابھار ابھار کر پاکستان کا شیرازہ بکھیر رہے ہیں۔ اور دل ہی دل میں خوش ہیں کہ پاکستان کے دشمنوں کو منہ مانگی مراد مل رہی ہے۔ یہ کیوں ہوا؟ اس لئے کہ ہم نے قدم قدم پر یہ سوچنا چھوڑ دیا کہ اگر قائد اعظم زندہ ہوتے تو کیا کرتے۔ قائد اعظم سے ذہنی رشتہ توڑنے کا جو نتیجہ ہو سکتا تھا وہ آج قوم کے سامنے ہے

ہم قومی احتساب کا دن منا رہے ہیں۔ ضروری ہے۔ کہ ہم اپنی کامیابیوں پر ہی خوش نہ ہوں۔ بلکہ ان بنیادی کمزوریوں پر بھی نظر رکھیں جو ہماری سستی و غفلت اور سیاسی میدان میں بعض عاقبت نااندیشوں کی ذاتی منفعت کی بدولت ملت کو اندر ہی اندر گھن کی طرح کھا رہی ہیں۔ اگر آج قوم کڑے احتساب کے بعد صحیح معنوں میں اصل خطرات کا احساس کرلے۔ اور آئندہ انہیں دور کرنے پر کمربستہ ہو جائے۔ تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ اپنی آزادی کی چھٹی سالگرہ ہم اس حال میں منانے کے قابل ہو جائیں گے۔ کہ قوم کو اندرونی اور بیرونی طور پر کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔ اور وہ شاہراہ ترقی پر پوری دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ گامزن ہوگی۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔ آمین۔ اللّٰھم آمین۔

پنجاب ترقی کی شاہراہ پر

دنیا میں اپنی قسم کا سب سے بڑا پراجیکٹ ـ مہاجرین کی بحالی کے اسّی فیصدی کام کی تکمیل ـ تعلیمی ترقی میں اضافہ

پنجاب رقبے کے اعتبار سے پاکستان کا سب سے بڑا اور آبادی کے لحاظ سے مشرقی پاکستان کے بعد سب سے بڑا صوبائی یونٹ ہے۔ اس کا رقبہ ۶۲۲۴۵ مربع میل ہے۔ اور ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی ۱۸۸۲۸۰۰۰ ہے۔

اس صوبہ کو پاکستان کا اناج گھر ہونے اور پاکستانی افواج کے لئے حصول افراد کا اہم ذریعہ ہونے کا فخر حاصل ہے۔

وسیع نظام آبپاشی

پنجاب کا وسیع نظام آبپاشی دنیا میں اپنی قسم کا سب سے بڑا نظام ہے۔ گذشتہ سو سال کے دوران میں اس صوبہ کے اندر نہری آبپاشی کے متعدد پروجیکٹ تعمیر ہوئے۔ جن کے نتیجہ میں بنجر اراضی کے وسیع رقبے آباد ہو گئے ہیں پنجاب کی یہ "نہری بستیاں" آج پاکستان کے اقتصادی نظام کے استحکام کے لئے انتہائی اہم ہیں یہ بستیاں غیر ممالک کو کثیر مقدار میں روئی برآمد کرتی ہیں

عام انتخابات

۱۹۵۱ء کے موسم بہار میں اس صوبہ میں عام انتخابات ہوئے آزاد پاکستان میں اور حق رائے دہندگی بالغان کی بنیاد پر یہ پہلا انتخاب تھا اور انتخابات کے نتیجہ میں ایک منتخب وزارت نے اپریل ۱۹۵۱ء کو پنجاب کے معاملات کی ذمہ داری سنبھالی۔

تھل پروجیکٹ

اقتصادی ترقی کی اسکیموں میں پنجاب کا تھل پروجیکٹ سب سے بڑا اور سب سے اہم ہے درحقیقت تھل پروجیکٹ اپنی قسم کا دنیا میں سب سے بڑا پروجیکٹ ہے۔ اور اس کو اب عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے۔ اس کی تکمیل کے بعد اس صوبہ کی زرعی دولت میں کم از کم ......۸۰ روپے کا اضافہ ہوگا

> دراصل تھل پروجیکٹ اپنی قسم کا دنیا میں سب سے بڑا پروجیکٹ ہے اور اس کو اب عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے۔ اسکی تکمیل کے بعد اس صوبہ کی زرعی دولت میں کم از کم ... ...۸۰ روپے کا اضافہ ہوگا

تھل پروجیکٹ دو بڑی اسکیموں کا مجموعہ ہے۔ ان میں پہلی اسکیم کے تحت پنجاب کے شمال مغربی علاقہ تھل کے ریگستان میں ...۱۵۰۰۰۰ ایکڑ زمین کے رقبہ پر آبپاشی کے لئے نہروں کا جال بچھایا جائے گا۔ اور دوسری اسکیم کے تحت اس رقبہ کو آباد کر کے اسے ایسی معاشرتی زندگی بخشی جائے گی جس میں صنعت تجارت اور زراعت کا اقتصادی نظام ہم آہنگ اور متوازن ہوگا۔

جہاں تک تھل پروجیکٹ کی آبپاشی کا تعلق ہے اس میں نہروں اور اس کی شاخوں کا تمام جال ۱۹۵۳ء میں کام کرنے لگے گا۔ موجودہ منصوبوں کی یہ آخری حد ہے۔ اور تمام ترقی جدول کے مطابق ہو رہی ہے۔

مہاجرین کی بحالی

موجودہ وزارت کے اپریل ۱۹۵۱ء میں برسر اقتدار آنے کے وقت بحالی اور آبادکاری کی اسکیم کاغذی منصوبہ بندی کے درجہ سے آگے نہ بڑھی تھی۔ وزارت مذکور نے ایک سال کے اندر اس اسکیم کے تحت بحالی کے کام یا اس کے کچھ حصہ کو مکمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ ترقی کی رفتار کو تیز کرنے کے لئے مختلف انتظامی اقدامات کئے گئے۔ پیداوار کے اعداد و شمار کی جانچ کر کے ان میں ضروری ترمیم کی گئی۔ تاکہ مہاجرین کو جائز حصہ حاصل ہو سکے۔

آبادکاری کے کام کے نظام کی از سر نو ترتیب ۱۹۵۱ء کے موسم گرما میں مکمل ہو گئی۔ اور اس کے بعد تیز رفتاری سے کام شروع کر دیا گیا مارچ ۱۹۵۲ء کے پہلے ہفتہ تک اصل آبادکاری کا تقریباً ۵۰ فی صدی کام مکمل ہو گیا تھا۔ اپریل ۱۹۵۲ء کے آخر تک بحالی کا تقریباً ۸۰ فیصدی کام مکمل ہو گیا۔ اس طرح زرعی زمین پر مہاجرین کی یہ نیم مستقل آبادکاری آئندہ چند ماہ میں مکمل ہو جائے گی۔ اور مہاجرین کے مسئلہ کا خاص جزو ختم ہو جائے گا۔

شہری علاقوں میں بحالی مہاجرین کے مسئلہ کے قابل اطمینان حل میں دو خاص مشکلات حائل ہوئیں۔ پہلی مشکل یہ پیش آئی کہ اس سلسلہ میں ہندوستان سے کوئی معاہدہ موجود نہ ہونے کی وجہ سے پنجاب میں متروکہ جائداد کو نیم مستقل بنیاد پر مہاجرین کے حوالہ کرنے کا کوئی منصوبہ تیار نہ کیا جا سکا۔ چنانچہ مہاجرین کو الاٹمنٹ اب بھی عارضی بنیاد پر دیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے مہاجرین میں نہ تو تحفظ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور نہ الاٹ کی جانے والی متروکہ جائیداد کی مرمت اور دیکھ بھال میں وہ دلچسپی لیتے ہیں۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے چیدہ شہروں کے اعداد و شمار سے معلوم ہوا کہ پنجاب کے شہروں میں ۱۹۴۱ء کے مقابلہ میں ۴۳ فی صدی آبادی کا اضافہ ہوا۔

اس مشکل کو دور کرنے کے لئے پنجاب میں نواحی قصبے آباد کرنے کے منصوبے پیش کئے گئے جو وہ منظوری کے مرحلے سے گذر چکے ہیں۔ ان قصبوں کی تعمیر کا کام عنقریب شروع کر دیا جائے گا۔ جس پر تقریباً دس کروڑ روپے صرف ہونگے۔

قائد اعظم کا انتباہ

> مسلمانو! اپنے درمیان کامل اتحاد اور یکجہتی قائم رکھو۔ آپس میں لڑو گے تو تمہاری کوئی بھی مدد نہ کرے گا۔ اور تم ذلیل ہو جاؤ گے
>
> اس لئے اتحاد و اتفاق قائم رکھو
>
> (خطبہ آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن)

تعلیم

تعلیمی ترقی پر ایک نظر

	اگست ۱۹۴۷ء	۳۱ مارچ ۱۹۵۲ء
اسکولوں کی تعداد بشمول ابتدائی اور ثانوی اسکول	۶۰۰۰	۸۶۳۶
کالجوں کی تعداد پیشہ ورانہ کالجوں کے علاوہ	۱۷	۳۵

۴۷-۱۹۴۶ء میں تقسیم سے پہلے محکمہ تعلیم غیر منقسم پنجاب کے ۲۹ اضلاع کا کام کرتا تھا۔ اور اس کا بجٹ ...۲۶۰ روپے سے کچھ ہی کم تھا۔ ۵۲-۱۹۵۱ء میں یہ بجٹ ...۳۰ روپے سے بھی کچھ زیادہ ہو گیا۔ اس بجٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقسیم کے بعد صوبہ میں تعلیمی سہولتوں میں کم و بیش کتنی توسیع ہوئی۔ اسکولوں اور کالجوں کی تعداد میں مقابلۃً جو اضافہ ہوا ہے۔ اس کا عام اندازہ لگانے کے لئے مندرجہ ذیل اعداد و شمار پیش کئے جاتے ہیں۔

تعلیمی ترقی پر ایک نظر

	اگست ۱۹۴۷ء	۳۱ مارچ ۱۹۵۲ء
اسکولوں کی تعداد بشمول ابتدائی اور ثانوی اسکول	۶۰۰۰	۸۶۳۶
کالجوں کی تعداد پیشہ ورانہ کالجوں کے علاوہ	۱۲	۳۵

کالجوں اور سکولوں کی تعداد میں اس اضافہ کے لئے دوہری پالیسی اختیار کی گئی اول ان مسلم تعلیمی اداروں کی امداد جو پہلے مشرقی پنجاب میں قائم تھے۔ دوم جدید سکولوں اور کالجوں کا قیام۔ گذشتہ دو سالوں میں ابتدائی تعلیم پر خاص طور سے زور دیا گیا۔ اور ۱۲۰۰ نئے اسکول کھولے گئے۔

اسکولوں کی تعداد میں اضافہ کے علاوہ چار سال کی بجائے پانچ سال کا نصاب جاری کر کے ابتدائی تعلیم کا معیار بھی بلند کرنے کی کوشش کی گئی

پاکستان کا مایۂ ناز فرزند

جو دنیائے اسلام میں بطلِ جلیل کے نام سے مشہور ہے

اقوام متحدہ کے حلقوں میں یہ امر مسلّمہ ہے کہ کیس پیش کرنے میں آپ کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ جب کسی اہم موضوع پر آپ کی تقریر کا موقع آتا ہے۔ تو اقوام عالم کے نمائندے اس گھبراہٹ میں اپنی اپنی مقررہ نشستوں کی طرف لپکتے ہیں کہ کہیں تقریر کا کوئی حصہ چھوٹ نہ جائے۔ کشمیر فلسطین اور اٹلی کے سابق مقبوضات اور متعلقہ مسائل کا جس فاضلانہ انداز میں آپ نے تجزیہ کیا۔ اور اس ضمن میں آپ نے جس مہارت کے ساتھ حقائق پر روشنی ڈالی اس کی وجہ سے تمام دنیا میں آپ کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی۔ اور لوگ آپ کے لئے مجسم تعریف بن گئے۔ بالخصوص لیبیا کو دوبارہ اٹلی کے حوالے کرنے کے متعلق مغربی طاقتوں کی تجویز کی پُر زور مخالفت کرنے میں تو آپ کو ایسی عظیم الشان کامیابی نصیب ہوئی کہ جسے بجا طور پر فتح عظیم قرار دیا جا سکتا ہے ــــ ان الفاظ میں "حیات ظفر اللہ" کے پاکستانی مصنف نے اپنی مختصر سی کتاب میں آنریبل چوہدری محمد ظفر اللہ خان کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ کتاب کے اس حصہ کا ترجمہ جو خدمات پاکستان اور آپ کے بعض ذاتی اوصاف سے تعلق رکھتا ہے ذیل میں مطالعہ فرمائیے:ـ ــــ (مسعود احمد)

۱۹۴۷ء میں جب قیام پاکستان کا اعلان کیا گیا تو بابائے ملت قائد اعظم محمد علی جناح نے ظفر اللہ خان کو نئی مملکت کی تاسیس کے ساتھ وابستہ کرنے میں ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے دیا۔ چنانچہ فوراً ہی قائد اعظم کی طرف سے آپ ریڈ کلف کمیشن کے سامنے مسلمانوں کا کیس پیش کرنے پر مامور کئے گئے۔ یہ کمیشن برصغیر کو دو آزاد مملکتوں میں تقسیم کرنے کے لئے درمیانی سرحدیں مقرر کرنے کی غرض سے قائم کیا گیا تھا۔ اسی سال کے اواخر میں قائد اعظم نے آپ کو جنرل اسمبلی میں پاکستانی وفد کے قائد کی حیثیت سے اقوام متحدہ میں بھیجا۔ اسی طرح جب سلامتی کونسل میں کشمیر کا معاملہ پیش ہوا تو پاکستانی وفد کی قیادت پھر آپ ہی کے حصہ میں آئی۔ اس میں شک نہیں وزارت خارجہ کے لئے آپ ہی موزوں ترین شخص تھے۔ لیکن ان اہم اور مشکل ترین معاملات کو جس دانشمندی اور خوش اسلوبی سے آپ نے نبھایا اس کی بنا پر اس عہدہ جلیلہ کے لئے آپ کا انتخاب ناگزیر ہو گیا۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۴۷ء میں آپ مملکت پاکستان کے وزیر خارجہ مقرر کر دیئے گئے۔ بین الاقوامی کانفرنسوں میں اپنے ملک کی نمائندگی کرنے اور اس طرح خدمات بجا لانے کی خاطر آپ اب تک قریباً ۲½ لاکھ میل کا ہوائی سفر کر چکے ہیں جہاں تک وسیع تجربہ کا تعلق ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کی جملہ وزارتوں میں آپ کے پایہ کا کوئی دوسرا شخص موجود نہیں ہے۔

بزرگ ترین سیاستدان

وزیر خارجہ کی حیثیت سے ظفر اللہ خان نے اقوام عالم کی برادری میں اپنے نوزائیدہ ملک کے لئے بہت جلد ایک باعزت جگہ حاصل کی ہے۔ جنرل اسمبلی کے تمام سالانہ اجلاسوں میں آپ پاکستانی وفود کی خود قیادت کرتے رہے ہیں۔ وہاں آپ کو ایک برگزیدہ سیاستدان تسلیم کیا جاتا ہے۔ آپ کی راہنمائی میں پاکستان نے اقوام متحدہ کے بعض فیصلوں کی مؤثر طریق پر حمایت کی ہے۔ لیکن اس طور پر کہ وقار کو کسی حال میں بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ دنیا کے تمام ممالک سے پاکستان کے دوستانہ تعلقات قائم ہیں اور بالخصوص مشرق وسطی کے اسلامی ممالک سے جغرافیائی ثقافتی اور مذہبی روابط کے باعث اس کے تعلقات محض دوستانہ ہی نہیں بلکہ محبت و اخوت کے درجہ تک پہونچے ہوئے ہیں۔ ہندوستان اور افغانستان سے بعض اختلافات ضرور ہیں۔ لیکن دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی پاکستان نے خود جھگڑا مول نہیں لیا۔ سلامتی کونسل میں ہندوستانی وفود کی قیادت مختلف اشخاص کرتے رہے ہیں لیکن پاکستان کی طرف سے ظفر اللہ خان نے اکیلے ہی یہ ذمہ داری اٹھائی ہے۔ ان کے نکتہ چین بعض اوقات کہا کرتے ہیں۔ کہ ان کی حکمت عملی بہت زیادہ صاف واضح اور براہ راست ہوتی ہے۔ لیکن وہ لوگ جو اس موضوع پر لب کشائی کے سب سے زیادہ اہل ہیں۔ آپ کی صاف گوئی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور حکمت عملی کے لحاظ سے اس خوبی کو ایک قیمتی سرمایہ تصور کرتے ہیں۔

حق گوئی و بے باکی

چنانچہ ایک مرتبہ کراچی میں ایک پبلک دعوت کے موقعہ پر سفارتی برادری کے ایک معزز و ممتاز رکن یعنی برما کے سفیر ہز ایکسی لنسی او۔ پے کھن نے تقریر کرتے ہوئے کہا

میرے نزدیک اٹھارویں صدی کے مدبرین کی شدت پسندی رسوم کی پابندی اور تصنع کی عادت بالکل بے معنے ہے۔ اور بیسویں صدی کے موجودہ وسطی دور میں ان کے لئے قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے میں یہاں پبلک طور پر اعلان کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا کہ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آنریبل چوہدری محمد ظفر اللہ خان کے وجود میں ہمارے درمیان ایک ایسے وزیر خارجہ موجود ہیں۔ جو صاف گوئی اور سادگی کی وجہ سے بے حد مشہور ہیں۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں اس وقت سے چوہدری محمد ظفر اللہ خان کو جانتا ہوں کہ جب میں ابھی رنگون میں تعلیم حاصل کر رہا تھا اور اب کراچی میں آنے کے بعد تو مجھے بہت قریب سے آپکو دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ حال ہی میں دنیا کے سب سے بڑے ادارے یعنی اقوام متحدہ میں مجھے آپ کی تقریر سننے کی سعادت بھی نصیب ہوئی وہاں مجھے اندازہ ہوا کہ کس درجہ احترام کے ساتھ اقوام عالم کے نمائندے آپ کی طرف متوجہ تھے۔ اور جو نقطۂ نظر آپ پیش کر رہے تھے۔ اس کی طرف مقناطیسی قوت کے ساتھ دنیا کی توجہ منعطف کرانے میں آپ کس درجہ کامیاب تھے۔ تقریر میں آپ بہت صاف گوئی سے کام لینے کے عادی ہیں۔ اور شائد اس بناء پر بعض اوقات آپ کے متعلق یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہو کہ دوسروں کے لئے آپ ہمدردی کے جذبہ سے خالی ہیں۔ لیکن میں آنریبل وزیر خارجہ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ ہم سفارتی حلقوں کے نمائندے اس صاف گوئی کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ بالخصوص میرے لئے یہ امر باعث مسرت ہے کہ آپ سے میرا جب بھی واسطہ پڑا ہے۔ آپ نے اپنا مافی الضمیر سمجھانے میں مجھے کبھی شک میں نہیں پڑنے دیا۔ ہم لوگ جنہیں آپ سے واسطہ پڑتا ہے۔ آپ کی سادہ زندگی اور بلند خیالی کی وجہ سے آپ کو بہت عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں"۔

(تقریر بر موقعہ سالانہ دعوت پاکستان انسٹیٹیوٹ آف انٹرنیشنل افیئرز منعقدہ ۷ جنوری ۱۹۴۹ء)

اسی طرح جنرل اسمبلی میں امریکی نمائندے سینیٹر وارن آسٹن نے پاکستان کے وزیر خارجہ کو عظیم ترین سیاستدانوں میں سے ایک قرار دیا اور کہا

"خواہ رسمی اجلاس میں تقریر کر رہے ہوں یا غیر رسمی گفتگو میں حصہ لے رہے ہوں وہ صاف گوئی اور حق پسندی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے"۔

(۲۱ مئی ۱۹۴۹ء)

ایک اوسط درجہ کے شہری کے لئے یہ بات حیران کن ہے کہ اگر حکمت عملی متعین کرنے میں زیادہ صاف گوئی اور دیانتداری سے کام لیا جائے۔ اور اس طرح عوام اور حکومت کو ایک دوسرے کا نقطۂ نظر سمجھنے اور اس کی خوبیوں کا اعتراف کرنے کا موقعہ بہم پہونچایا جائے۔ تو دنیا کی موجودہ افراتفری میں کمی واقع ہو سکتی ہے۔

فتح عظیم

اقوام متحدہ کے حلقوں میں یہ امر سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ جہاں تک کیس پیش کرنے کا تعلق ہے ظفر اللہ خان پر کوئی سبقت نہیں لے جا سکتا۔ جب کسی اہم موضوع پر آپ کی تقریر کا موقعہ آتا ہے۔ تو نمائندگان اپنی نشستوں کی طرف لپکتے نظر آتے ہیں۔ کہ کہیں تقریر کا کوئی حصہ سننے سے رہ نہ جائے۔ کشمیر فلسطین اور اٹلی کے سابقہ مقبوضات اور ان سے متعلق مسائل پر جس ماہرانہ انداز میں آپ نے روشنی ڈالی اور حالات کا تجزیہ کر کے نتائج اخذ کئے اس سے بین الاقوامی حلقوں میں آپ کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی۔ اور لوگ آپ کے گرویدہ ہو گئے۔ مغربی طاقتوں کی اس تجویز کی مخالفت میں کہ لیبیا کو پھر اٹلی کے حوالے کر دیا جائے۔ آپ کو ذاتی طور پر ایک فتح عظیم نصیب ہوئی۔ ایک دن آپ نیویارک میں بعض دوستوں کے ساتھ کچھ سامان خرید رہے تھے ایک فرم کا مالک آپ سے بیحد احترام سے پیش آیا اور آپکی طرف متوجہ ہونے میں ہمہ تن گوش بن گیا۔ جب آپ وہاں سے چلنے لگے تو اس سے رہا نہ گیا

اور وہ بے اختیار بول اٹھا "میں ایک یہودی ہوں میں نے آپ کو فلسطین کے مسئلے پر تقریر کرتے ہوئے بارہا سنا ہے کیا میں آپ سے مصافحہ کا شرف حاصل کر سکتا ہوں؟ آپ ایک عظیم شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ کی تشریف آوری میرے لئے باعث صد افتخار ہے" ظفر اللہ خاں لکھ کر تقریر کرنے کے عادی نہیں ہیں۔ بعض اوقات آپ نوٹس کے طور پر کچھ لکھ لیتے ہیں۔ لیکن سماں اس وقت بندھتا ہے کہ جب آپ ان نوٹس سے بے نیاز ہو کر فی البدیہہ تقریر کرتے ہیں اور وقت کے وقت نئے نئے پہلو بیان کر کے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔

سلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر پر سات گھنٹے تقریر کر کے آپ نے سابقہ ریکارڈ توڑ دیا۔ اور وہ بھی ہندوستان و پاکستان کے باہمی تنازعات پر تقریر کرتے ہوئے آپ ہی نے قائم کیا تھا۔ خواہ بحث ہو یا گفتگو حاضر جوابی اور برجستہ گوئی آپ پر ختم ہے۔ مسئلہ کشمیر پر بحث کے دوران میں معلوم ہوا کہ پاکستانی افواج کی ۲۸ بٹالینوں کے مقابلے میں ہندوستان باون بٹالینوں سے زیادہ واپس بلانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا کہنا ہے کہ کشمیر میں ہندوستانی فوجوں کا بیشتر حصہ انہی بارہ بٹالینوں پر مشتمل ہے۔ ظفر اللہ خاں نے کہا اقوام متحدہ کے کمیشن کی رپورٹ کے مطابق ریاست میں ہندوستانی فوجوں کی تعداد پاکستانی فوجوں کی تعداد کے مقابلہ میں دوگنی سے بھی زیادہ ہے۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے ایک عجیب انداز اختیار کیا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا "ہندوستانی فوجوں کی تعداد بارہ ہے یا کچھ اور۔ میں ہندوستان کو ایک پیشکش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ وہ ریاست میں اپنی فوجوں کا بیشتر حصہ (جو اس نے بارہ بٹالین بتایا ہے) رہنے دے اور باقی ماندہ واپس بلالے۔ ...... ہندوستان کا کہنا ہے کہ وہ بیشتر حصہ واپس بلالے گا اور باقی ماندہ ریاست میں رہنے دے گا۔ چلو میں یہاں تک اجازت دیتا ہوں کہ وہ باقی ماندہ فوج بلالے اور بیشتر کو وہیں رہنے دے" (ماخوذ از کارروائی سلامتی کونسل منعقدہ ۸ فروری ۱۹۵۰ء)

وسیع و عمیق نظر

خواہ بین الاقوامی امور زیر پیش ہوں یا تنظیمی مسائل۔ ظفر اللہ خاں کو دونوں میں اللہ تعالےٰ نے وسیع و عمیق نظر عطا کی ہے۔ بالخصوص نظم و نسق کے معاملات میں باریک بینی اور حد درجہ احتیاط سے کام لینا آپ کا خاصہ ہے۔ محکمانہ فائل خواہ کتنا ہی ضخیم اور معاملہ کتنا ہی پیچیدہ کیوں نہ ہو آپ کی بیشمار مصروفیات کے باوجود اس کی واپسی میں قطعاً دیر نہیں لگے گی اور وہ بعجلت واپس بھی اس حال میں ہو گا کہ اس پر زیر غور مسئلہ کا حل اور واضح ہدایات درج ہوں گی۔ پارلیمنٹ یا کانفرنسوں میں مصروفیت کاغذات کی بعجلت disposal پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ آپ کے مزاج میں محکمانہ فروگذاشتوں اور عاقبت نااندیشیوں کے لئے اصلاح کے عجیب عجیب پہلو نکلتے ہیں۔ آپ جب گورنر جنرل کی کابینہ میں ریلوے ممبر تھے تو محکمے کے ایک افسر اعلےٰ نے بہت الجھے زار زبان میں ایک رپورٹ ارسال کی۔ جس کے آخر میں اس نے یہ فقرہ چست کیا "سیزر کی بیوی کی طرح ریلوے کا محکمہ شکوک و شبہات سے بالا ہونا چاہیئے" آپ نے اس فقرہ میں تقابل کی غیر موزونیت دکھانے کے لئے اس افسر کو توجہ دلائی کہ "سیزر کی بیوی ریلوے کی طرح ذریعۂ نقل و حمل نہیں تھی ورنہ ہمیں اسے آمد پیدا کرنے کی فکر لاحق تھی"

ایک اور معاملہ میں محکمے کے ایک افسر اعلےٰ نے اپنے دفتر کے ایک سپرنٹنڈنٹ کا تبادلہ رکنے کے لئے دھمکی دی کہ اگر سپرنٹنڈنٹ کو تبدیل کیا گیا تو اس کے لئے آفس کا کام چلانا ناممکن ہو جائیگا۔ فائل جب آنریبل ممبر کے پاس سے واپس آیا تو اس پر یہ حکم درج تھا۔ سپرنٹنڈنٹ کو ضرور تبدیل کیا جائے اور متعلقہ افسر چونکہ اس کے بغیر کام چلانے سے معذوری ظاہر کرتا ہے اس لئے اس کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ ریٹائر ہو جائے۔

غضب کا حافظہ

قدرت نے ظفر اللہ خاں کو غضب کا حافظہ عطا کیا ہے۔ ذہن میں نت نئے تجربات اور ان کی تفصیلات کا ذخیرہ ہر دم محفوظ رہتا ہے۔ اسی لئے وقت آنے پر جب چاہتے ہیں انہیں کام میں لا کر بے حد فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اگر آپ کو کبھی ان سے واسطہ پڑا ہے تو آپ یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ انہیں آپ کا ٹیلیفون نمبر اور آپ کا تفصیلی پتہ تک یاد ہے اور ایسی ایسی تفصیلات ذہن میں محفوظ ہیں کہ جو خود آپ بھول چکے ہیں۔ ایک مرتبہ چودھری صاحب موصوف ایک بڑے شہر میں ایک دوست کے ہاں مقیم تھے۔ دوست آپ کو سیر کے لئے لے گیا کئی پیچدار سڑکوں پر سے گذرنے اور موڑ مڑنے کے بعد آپ کا میزبان دراانحالیکہ وہ اس کا اپنا علاقہ تھا راستہ بھول گیا۔ مہمان جو اس علاقے سے واقف بھی نہ تھا میزبان کو راستہ دکھاتا گھر واپس لے آیا۔ ایک اور دفعہ یہ حکومت برطانیہ کا ایک شوفر ظفر اللہ خاں اور ان کے بعض دوستوں کو لنڈن سے ساحل سمندر کی طرف لے جا رہا تھا۔ اچانک موٹر ایک اور راستہ کی طرف مڑ گئی۔ ظفر اللہ خاں جو اس وقت دوستوں کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے فوراً چونک اٹھے اور انہوں نے ڈرائیور سے کہا تم غلط موڑ مڑ گئے ہو۔ ڈرائیور نے اصرار کیا کہ سفر پر روانہ ہونے سے قبل اس نے نقشہ دیکھ لیا تھا وہ صحیح راستہ پر چل رہا ہے۔ چند میل چلنے کے بعد کار پھر مڑی۔ آپ نے ڈرائیور سے کہا "آ گئے نا پھر پرانی سڑک پر" ڈرائیور اس ریمارک پر حیران رہ گیا اور اسے اپنی غلطی تسلیم کرنی پڑی۔ وسیع تجربہ اور حیرت انگیز یادداشت کی وجہ سے۔ بحث میں ظفر اللہ خاں ایک خطرناک مدمقابل نظر آتے ہیں۔ لیکن ایک ہم عصر اور ساتھی کے طور پر ان سے زیادہ خوش گفتار و شیریں کلام مشکل سے ہی ملے گا۔

ذاتی اوصاف

ظفر اللہ خاں ایک پکے مسلمان ہیں۔ آمدنی کا بیشتر حصہ خیراتی کاموں پر صرف ہوتا ہے۔ اسراف اور تصنع سے طبعاً نفرت ہے۔ عادات بہت سادہ ہیں اور بالخصوص خوراک کے معاملہ میں حد درجہ محتاط اور کفایت شعار واقع ہوئے ہیں۔ ذاتی نظم و ضبط کے باوجود فراخ دلی اور آزاد خیالی میں بھی فرد ہیں۔ "الخلق عیال اللہ" اور اخوت انسانی پر کامل ایمان رکھنے کے باعث اس بات کے سختی سے قائل ہیں کہ ایک سچے دیندار کا بنیادی وصف رواداری ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کے مداحوں میں ہر عقیدے اور خیال کے لوگ شامل ہیں اقلیتوں کے ساتھ منصفانہ ہی نہیں بلکہ فیاضانہ سلوک روا رکھنے کی پالیسی پر عمل کرنے میں وزیر اعظم لیاقت علی خاں کو آپکی زبردست تائید و حمایت حاصل ہے۔

مجلس دستور ساز میں جب وزیر اعظم خان لیاقت علی خاں نے قرارداد مقاصد پیش کی تو ظفر اللہ خان نے اس موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"یہ بہت افسوسناک بات ہے کہ اپنے دور انحطاط میں بعض غلط خیالات کے زیر اثر جو چیز مسلمانوں کے لئے وجہ شہرت بنی وہ عدم رواداری کا جذبہ ہے لیکن اس کا ذمہ دار کسی صورت میں بھی اسلام کو قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسلام نے تو شروع ہی سے انتہائی رواداری کی تعلیم دی ہے اور اس وصف کو اپنانے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ مثال کے طور پر جہانتک آزادی ضمیر کا تعلق ہے قرآن کہتا ہے

لا اکراہ فی الدین

دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہے"

فارغ اوقات

فارغ اوقات میں مطالعہ کتب، صبح کی ہوا خوری سیر و سیاحت، دوستوں کے ساتھ بذلہ سنجی اور ملاحت آمیز گفت و شنید آپ کے مرغوب مشاغل ہیں۔ راستہ چلنے میں اتنے تیز رفتار واقع ہوئے ہیں کہ نوجوان ساتھی ہمت ہار بیٹھیں۔ قدرتی مناظر کے بہت شائق ہیں۔ اور جب کبھی موقعہ ملے تو اس سے لطف اندوز ہونے کے لئے کچھ نہ کچھ وقت نکال ہی لیتے ہیں۔ روزانہ منہ اندھیرے اٹھنے کے عادی ہیں۔ دن بھر حد درجہ مصروف رہنے کے بعد خواہش یہی ہوتی ہے کہ رات کو جلدی سو جائیں۔ جب چاہیں ہلکی سی نیند لے سکتے ہیں۔ خواہ ماحول پر سکون نہ ہو۔ اور جتنے وقفہ کے بعد اٹھنا مقصود ہو گا خود ہی بیدار ہو جائیں گے۔ ستانے اور آرام کرنے کے عالم میں بھی دماغ حاضر رہتا ہے اور حواس حد درجہ بیدار۔ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی

ظفر اللہ خاں وزارت خارجہ کا عہدہ قبول کرنا نہیں چاہتے تھے

آپ کی معذرت پر قائد اعظم کا تاریخی جواب

"یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں وزارت خارجہ کی پیشکش قبول کرنا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے قائد اعظم سے کہا۔ اگر آپ کو میری لیاقت اور دیانت پر پورا اعتماد ہے تو میں وزارت کے علاوہ کسی بھی اور حیثیت میں پاکستان کی خدمت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ قائد اعظم کا تاریخی جواب ان دو جملوں پر مشتمل تھا۔ "تم پہلے شخص ہو جسنے ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم عہدے کے طلبگار نہیں ہو"

(بحوالہ ایڈیٹوریل سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور مورخہ ۱۲ اگست ۱۹۵۲ء)

ہیں جب آپ ایوان کے لیڈر تھے۔ تو بسا اوقات اس حال میں کہ دوسرے ممبران لمبی لمبی تقریریں کر رہے ہوتے۔ یوں معلوم ہوتا۔ کہ آپ سو رہے ہیں۔ لیکن جب وہ بول چکتے۔ تو آپ اپنی باری پر ایک ایک بات کا جواب دینے کے لئے تیار نظر آتے۔ ایک مرتبہ ہندوستان کی عدالت عالیہ کے چیف جج نے عدالت میں فیصلہ سنایا۔ ظفر اللہ خاں اور ایک تیسرے جج چیف جج کے برابر بیٹھے تھے۔ بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ ظفر اللہ خاں سو رہے ہیں۔ فیصلہ سنانے کے بعد چیف جج نے فیصلہ ظفر اللہ خاں کے آگے کر دیا۔ تاکہ وہ بھی اس پر اپنے دستخط ثبت کر دیں۔ آپ نے متن پڑھے بغیر (جلدی سے پہلے) دو دفتری نوعیت کی غلطیاں درست کیں جو چیف جج کے نوٹس میں آنے سے رہ گئی تھیں۔

ماں سے محبت

ظفر اللہ خاں کے والد بھی وکیل تھے۔ اور اپنی پاکبازی اور تقویٰ کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔ ریٹائر ہونے کے بعد انہوں نے اپنی زندگی خدمت دین کے لئے وقف کر دی تھی۔ آپ کی والدہ اپنے خاوند کی وفات کے بعد بھی کافی عرصہ زندہ رہیں۔ انہوں نے بیٹے کا عروج اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ بیٹے کے دل میں ماں کا بے حد احترام اور ان سے حد درجہ محبت و عقیدت تھی۔ چنانچہ بیٹے نے ماں کی وفات پر "میری والدہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ جس میں نہایت ہی پر اثر اور محبت بھرے الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔ ان کا فوٹو گھر میں اب بھی نہایت اہم جگہ آویزاں ہے۔

ظفر اللہ خاں جب کسی کو دوست بناتے ہیں۔ تو دوستی سنبھالتے بھی خوب ہیں۔ آپ کا اپنا خلوص دوسروں کی خوبیوں کو نمایاں کر دیتا ہے۔ آپ کی موجودہ شہرت و عظمت نے ابتدائی ایام کے دوستوں کے ساتھ تعلق اور لگاؤ میں کوئی کمی نہیں آنے دی۔ اور نہ ہی ان کے ساتھ لگاؤ نئے دوست بنانے میں مزاحم ثابت ہوا۔ آپ باوجود ہزار مصروفیت کے اتنے مصروف کبھی نہیں ہوئے۔ کہ کسی چھوٹے سے چھوٹے ملاقاتی کو مایوس لوٹنے دیں۔ آپ ہمیشہ ہی خوش اخلاق اور فراخ حوصلہ میزبان ثابت ہوتے ہیں۔

ظفر اللہ خاں کے لئے یہ ممکن نہیں ہے۔ کہ وہ کسی نامعقولیت کو آسانی سے برداشت کر لیں۔ مختلف امور اور اشخاص کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرنے میں آپ کبھی باک محسوس نہیں کرتے۔ اس حال میں کہ آپ ہندوستان کی برطانوی حکومت میں نہایت اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ آپ نے حکومت برطانیہ کو پبلک طور پر پوری شدت سے انتباہ کر کے ایک ہیجان برپا کر دیا۔ آپ نے اعلان کیا کہ برطانیہ کے صاحبانِ اقتدار کو چاہیئے۔ کہ وہ آزادی دینے کے منصوبوں کو جلد سے جلد عملی جامہ پہنائیں۔ ورنہ معاملہ ان کے ہاتھوں سے نکل کر انہیں بے بس بنا دے گا۔ زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ کہ ایک ہوائی جہاز میں چودہ سال کا امریکی بچہ آپ کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ اس نے اپنی ڈائری میں لکھا۔ "پاکستان کے وزیر خارجہ سے ملاقات ہوئی۔ وہ بہت ہی اچھے آدمی ہیں۔" ایک بچے کی بے باک و پُرخلوص رائے کا ظفر اللہ خاں پر بہت اچھا اثر ہوا۔ لیکن جب آپ سے کہا گیا۔ کہ سب ہی آپ کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اس پر آپ نے سخت اعتراض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ "یہ کوئی اچھی علامت نہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوگا۔ کہ میرا اپنا کوئی کیریکٹر اور میری اپنی کوئی رائے نہیں ہے۔" انصاف اور اصول کی خاطر آپ بسا اوقات ایسے ایسے فیصلہ کن اقدام کر بیٹھتے ہیں۔ کہ جن کے کرنے سے آپ سے کم درجہ کے لوگ بھی اس لئے گھبرائیں گے۔ کہ کہیں ان کی ہر دلعزیزی میں فرق نہ آجائے۔ ذاتی طور پر آپ ہر ایک کے ساتھ تواضع سے پیش آتے ہیں۔ لیکن جہاں تک محکمانہ تعلق ہے۔ آپ کی سرپرستی اور خوشنودی سختی کے ساتھ اہلیت اور استحقاق کی پابند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ قبول عام کے لحاظ سے ہیرو بننے کی وہ صلاحیت نہیں رکھتے۔ جو زمانہ سازی کی رہین ہوتی ہے۔ اور نہ ہی وہ کبھی اس پر آمادگی کا اظہار کر سکتے ہیں۔ وزیر مملکت کے طور پر آپ کی آمدنی اس آمد کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے۔ جو آپ ایک قانون دان کی حیثیت سے پیدا کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ تو آپ سیاست کے سفلی ماحول کی بجائے علم و عرفان اور پاکبازی و پاک باطنی کے مقدس ماحول میں رہنا زیادہ پسند کریں گے۔

یہ محض ہم وطنوں کی خدمت کا جذبہ ہے۔ جس نے آپ کو وزیر مملکت کا عہدہ قبول کرنے پر راضی کیا ہوا ہے۔

(ماخوذ از "حیات ظفر اللہ" مطبوعہ لندن سنہ ۱۹۵۰ء)

پاکستان کو مالی لحاظ سے زبردست استحکام حاصل ہے

پاکستان کو گذشتہ پانچ سال میں مالی اعتبار سے تدریجی طور پر زبردست استحکام حاصل ہو گیا ہے۔ اس دوران میں اس نے نہ صرف متواتر طور پر متوازن بجٹ پیش کئے ہیں بلکہ تجارتی ترقی بنکاری کے مستحکم نظام کے قیام اور صنعتی و زراعتی ترقی کے پروگرام سے اس کا اقتصادی نظام بھی مستحکم سے مستحکم تر ہوتا گیا ہے۔ متعدد وسیع ترقیاتی اسکیمیں زیر عمل ہیں۔ ترقیاتی اسکیموں کے ساتھ ساتھ حکومت نے عوام کی معاشرتی ترقی کے لئے بھی پروگرام شروع کیا ہے اور اس غرض سے اپنے وسائل کام میں لائے ہیں۔

بجٹ

گذشتہ پانچ برس میں پاکستان کے بجٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس ملک کی آمدنی میں بتدریج اضافہ ہوتا جا رہا ہے ۱۹۴۸ء و ۱۹۴۹ء کے مقابلہ میں ۱۹۵۲ء و ۱۹۵۳ء میں آمدنی میں سو فیصدی اضافہ ہوا۔

آمدنی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ حکومت دفاعی مصارف کے باوجود قومی تعمیر کی سرگرمیوں کے مصارف میں بھی بتدریج اضافہ کرتی رہی ہے۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء و ۱۹۴۹ء میں قومی تعمیری سرگرمیوں کے لئے ...... ۲۳۶،۱۰۰۰ روپے کے مصارف کے مقابلہ میں ۱۹۵۲ء و ۱۹۵۳ء میں اس غرض سے ...... ۵۹۳۹ روپے کا تخمینہ ہے۔ مزید براں حکومت نے بحالی مہاجرین۔ معاشرتی ترقی کی اسکیموں اقتصادی ترقی کی اسکیموں زرعی ترقی۔ شاہراہوں بیرونی ممالک میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے وظیفوں اور گھریلو صنعتوں کی ترقی کے واسطے بھی خاص فنڈ قائم کئے ہیں۔

پاکستان کو گذشتہ پانچ سال میں مالی اعتبار سے بتدریجی طور پر زبردست استحکام حاصل ہو گیا ہے۔ اس دوران میں اس نے نہ صرف متواتر طور پر متوازن بجٹ پیش کئے ہیں بلکہ تجارتی ترقی بنکاری کے مستحکم نظام کے قیام اور صنعتی و زراعتی ترقی کے پروگرام سے اس کا اقتصادی نظام بھی مستحکم سے مستحکم تر ہوتا گیا ہے

صنعتی ترقی

پاکستان میں صنعتوں کو ترقی دینے کے لئے حکومت نے متعدد اہم صنعتوں کے قیام میں شرکت کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ چنانچہ پاکستانی صنعتی مالیاتی کارپوریشن اور مختلف کارخانوں میں سرمایہ لگانے کے لئے حکومت نے ۱۹۵۱-۵۲ء میں ... ۷،۴۳،۰۰۳ روپے اور ۱۹۵۲-۵۳ء میں ... ۱۰،۲۷ روپے کی گنجائش رکھی۔ اہم صنعتوں میں حکومت کی شرکت کی وجہ سے پٹ سن پارچہ بافی اور کاغذ کے متعدد کارخانے قائم کرنے کے کام میں کافی ترقی ہو چکی ہے

ترقیاتی اسکیمیں

پاکستان کی منظم طریقہ سے ترقی کے لئے حکومت نے ۱۹۵۰ء میں شش سالہ ترقیاتی منصوبہ مرتب کیا جس پر مجموعی طور پر ...... ۲۷۰ روپے صرف ہوں گے۔ مزید براں ملک کی فوری ضروریات پوری کرنے کے لئے دو سالہ ترقیاتی منصوبہ بھی مرتب کیا گیا ہے۔ صنعتوں میں سرمایہ لگانے کی حوصلہ افزائی کرنے کی غرض سے حکومت نے ٹیکسوں میں متعدد مراعات دینے کا بھی فیصلہ کیا۔ مزید براں گذشتہ سال صنعتوں میں لگائی ہوئی رقم کے ۲۵ فیصدی حصہ کو مجموعی آمدنی کے دسویں حصہ تک انکم ٹیکس اور سپر ٹیکس سے مستثنےٰ قرار دینے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔

صوبوں کی مالی حالت

پاکستان میں وفاقی آئین موجود ہونے کی وجہ سے صوبوں کو اپنی آمدنی اور مصارف کے وسیع اختیارات حاصل ہیں۔ گذشتہ پانچ برس میں پاکستانی صوبوں کی مالی حالت بھی کافی بہتر ہو گئی ہے چنانچہ مشرقی بنگال۔ پنجاب۔ سندھ اور صوبہ سرحد کی آمدنی جو ۱۹۴۷-۴۸ء میں علے الترتیب ...... ۹۷۲ روپے۔ ...... ۵۷،۶ روپے۔ ...... ۸۴۳ روپے اور ...... ۳۶،۳ روپے تھی ...... ۱۹۵۲-۵۳ء میں علی الترتیب ...... ۲۸۴۹ روپے۔ ...... ۳۴۷۵ روپے۔ ...... ۶۰۳ ...... ۳۲۰۰ روپے اور روپے ہو گئی۔

صوبوں کی مالی امداد

پاکستان نے صوبوں اور ریاستوں کو عطیات کی صورت میں مالی امداد بھی دی ہے اس طرح حکومت پاکستان کی جانب سے مرکزی آمدنیوں میں سے حصہ اور عطیات کی صورت میں علی الترتیب مشرقی بنگال کو ۱۹۴۷-۴۸ء سے ۱۹۵۲-۵۳ء تک ...... ۱۱،۷۴ روپے اور ...... ۹۹۳ روپے پنجاب کو ...... ۱۸۸ روپے اور ...... ۱۸،۷۹ روپے سندھ کو ...... ۴۷،۴ روپے اور ...... ۱۰۴ روپے صوبہ سرحد کو ...... ۲۶۲ روپے اور ...... ۸۲،۷ روپے۔ بہاولپور کو ...... ۱۱۱ روپے اور ...... ۵۵ روپے اور بقیہ علاقوں کو ...... ۲۰ روپے اور ...... ۸۰۹ روپے ملے ہیں۔

بحالی مہاجرین

بحالی مہاجرین کے کام میں مدد دینے کے لئے ۱۹۵۰ء میں خاص ٹیکس عائد کئے گئے جو ایک سال اور جاری رہیں گے۔ مارچ ۱۹۵۳ء کے آخر تک ان ٹیکسوں سے اندازاً ...... ۶۵،۴ روپے حاصل ہوں گے۔ مزید براں مرکزی حکومت نے بحالی مہاجرین کے فنڈ میں مزید ...... ۵۰ روپے کی خصوصی رقم مہیا کی ہے ...... ۳ روپے قرض دیئے گئے ہیں۔ بحالی مہاجرین کی مالیاتی کارپوریشن نے اب تک ...... ۵،۶ روپے کے قرضے دیئے ہیں اور مہاجرین کے لئے کم قیمت پر ...... ۱۳ روپے کی اشیاء فراہم کی ہیں

گذشتہ پانچ سال میں غیر ملکی زرمبادلہ کے معاملہ میں پاکستان کی حالت بدرجہا بہتر ہوگئی۔ محفوظ زرمبادلہ یکم جنوری ۱۹۵۰ء میں ...... ۹۸ روپے سے بڑھ کر یکم مارچ ۱۹۵۲ء میں ...... ۱۴۸ روپے ہوگیا۔

غیر ملکی زرمبادلہ

گذشتہ پانچ سال میں غیر ملکی زرمبادلہ کے معاملہ میں پاکستان کی حالت بدرجہا بہتر ہو گئی۔ محفوظ زرمبادلہ یکم جنوری ۱۹۵۰ء میں ...... ۹۸ روپے سے بڑھ کر یکم مارچ ۱۹۵۲ء میں ...... ۱۴۸ روپے ہو گیا۔ اسی طرح ۱۹۴۹ء میں توازن ادائیگی میں ...... ۴۴،۱۵ روپے کا خسارہ تھا ...... ۱۹۵۰-۵۱ء میں ...... ۵۲ روپے کی بچت میں تبدیل ہو گیا

آمدنی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ حکومت دفاعی مصارف کے باوجود قومی تعمیر کی سرگرمیوں کے مصارف میں بھی بتدریج اضافہ کرتی رہی ہے۔ چنانچہ ۱۹۴۸-۴۹ء میں قومی تعمیر کی سرگرمیوں کے لئے ...... ۲۳،۱۰۰۰ روپے کے مصارف کے مقابلہ میں ۱۹۵۲-۵۳ء میں اس غرض سے ...... ۵۹۳۹ روپے کے مصارف کا تخمینہ ہے۔

ملک میں بنکاری کے نظام کو ترقی دینے کے لئے حکومت پاکستان نے نومبر ۱۹۴۹ء میں پاکستان نیشنل بنک قائم کیا۔ یہ بنک اب تک اپنے ۹۲ دفاتر اور دنیا کے مختلف حصوں میں ۵۰ ممتاز بنکوں سے براہ راست تعلق قائم کر چکا ہے۔ امید ہے کہ اس سال یہ بنک دولت پاکستان کی ایجنسی کا کام سنبھال لینے پر مزید شاخیں قائم کرے گا۔

اب تک ...... ۹۵۲ روپے کے قرضے جاری کئے جا چکے ہیں۔ حکومت پنجاب نے بھی ۱۹۵۱ء میں ...... ۴ روپے کا قرضہ جاری کیا

صنعتی مالیاتی کارپوریشن

صنعت کے لئے سرمایہ فراہم کرنے کی غرض سے حکومت پاکستان نے صنعتی مالیاتی کارپوریشن قائم کیا۔ یہ کارپوریشن جس کا منظور شدہ سرمایہ ...... ۳ روپے ہے۔ اکتوبر ۱۹۴۹ء سے کام کر رہا ہے اور فروری ۱۹۵۲ء کے آخر تک ...... ۱۷۸ روپے تک کے قرضے دے چکا ہے۔ حکومت پاکستان نے زرعی ترقی کی اسکیموں کے لئے سرمایہ فراہم کرنے کی غرض سے زراعتی ترقیاتی مالیاتی کارپوریشن قائم کرنے کا بھی فیصلہ کیا ہے۔

سرکاری قرضے

حکومت پاکستان نے ترقیاتی اسکیموں کے مصارف پورے کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً متعدد قرضے جاری کئے۔ اب تک ...... ۲۰ ۹۵ روپے کے قرضے جاری کئے جا چکے ہیں۔ حکومت پنجاب نے بھی ۱۹۵۰ء میں ...... ۴ روپے کا قرضہ جاری کیا۔

پاکستانی نوٹ اور سکے

بنک دولت پاکستان کے جولائی ۱۹۴۸ء میں قیام تک ریزرو بنک آف انڈیا ہی کے نوٹ اور سکے پاکستان میں رائج تھے۔ چنانچہ پاکستانی نوٹ اور سکے رائج کرنے کے جلد اقدامات کئے گئے۔ پہلے پاکستانی سکے اپریل ۱۹۴۸ء میں رائج کئے گئے اور پانچ روپے نیز اس سے زیادہ کی مالیت کے پاکستانی نوٹ یکم اکتوبر ۱۹۴۸ء کو اور ایک اور دو روپے کے نوٹ یکم مارچ ۱۹۴۹ء کو جاری کئے گئے۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۴۹ء تک تمام ہندوستانی نوٹ اور سکے زر غیر قانونی قرار دیئے گئے۔

پاکستانی نوٹ چھاپنے کے بھی اقدامات کئے گئے اور یکم فروری ۱۹۴۹ء کو پاکستان سکیورٹی پرنٹنگ کارپوریشن قائم کیا گیا جس کا منظور شدہ سرمایہ ...... ۷۵ روپے ہے میسرز تھامس ڈی لارو اینڈ کمپنی کا اس کارپوریشن میں جو ۴۹ فیصدی حصہ ہے وہ یکم فروری ۱۹۴۹ء سے پندرہ سال بعد ختم ہو جائیگا اور حکومت پاکستان اس کی مکمل مالک ہو جائیگی۔

پاکستانی ٹکسال

ہندوستانی سکوں کی جگہ ملک میں پاکستانی سکے جاری کرنے کے لئے پاکستانی ٹکسال کو گذشتہ پانچ برس میں بہت بڑے پیمانہ پر سکے تیار کرنا پڑے اور ٹکسال میں روزانہ اوسطاً ...... ۵۲۰۰ سکے تیار ہوتے ہیں۔ اپریل ۱۹۴۹ء سے اس میں تجارتی بنیاد پر ڈاکخانے کی مہریں وغیرہ بھی تیار ہونے لگی ہیں تقسیم سے قبل یہ مہریں وغیرہ پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف ورکشاپ میں تیار ہوتی تھیں۔ اس ٹکسال میں سونے چاندی کو پرکھنے سونے کو صاف کرنے اور علیحدہ کرنے [illegible] ۱۹۵۰ء میں [illegible]

نارتھ ویسٹرن ریلوے — لاہور ڈویژن

ٹنڈر نوٹس

الف۔ ٹنڈر یا ٹنڈرز ذیل میں دستخط کنندہ کو ۲ بجے بعد دوپہر تک مندرجہ ذیل کاموں کے لئے مقررہ فارموں پر سربمہر ٹنڈر مطلوب ہیں۔ مقررہ فارم اس دفتر سے ایک روپیہ فی کاپی کے حساب سے ۱۶ اگست ۱۹۵۲ء کے روز ۱۲ بجے تک دستیاب ہو سکتے ہیں۔ یہ ٹنڈر اسی روز ۳ بجے دوپہر عوام کے روبرو کھولے جائینگے

نمبر	کام کا نام	کام کی تخمینہ لاگت	رقم زر بیعانہ جو نارتھ ویسٹرن ریلوے لاہور کے ڈویژنل پے ماسٹر کے ہاں جمع کرانا ہوں گی۔
۱	شاہدرہ - نارووال - سیکشن پر کوٹ مول چند - بابکوال - نارنگ کھنڈہ لدھیکے اور بیجووالی کے مقام پر سٹیشن کی عمارت تعمیر کرانی -	روپے ۴۵۰۰۰	روپے ۱۲۰۰
۲	لاہور میں سنگل شاپ کی چھتوں کی خاص مرمت	روپے ۲۰۰۰۰	روپے ۲۱۰۰
۳	مغلپورہ میں لوکو اور کیرج شاپ کی سی آئی سینٹ کی چھتوں پر نئی چادریں لگانا	۵۰۰۰۰	۱۰۰۰ روپے
۴	مغلپورہ کیرج اور بائیسکل شاپ کی لائن نمبر ۲-۱۹ کے سیمنٹ کے فرش بنانا	۲۰۰۰۰	۴۰۰ "
۵	مغلپورہ کی لوکو شاپ کی ٹنڈر شاپ کالا نمبر ۵ اور ۸ کی لکڑی کے فرشوں کو مرمت کرنا	۱۰۰۰۰۰	۲۰۰۰ "
۶	لاہور میں گڈس یارڈ کے پلیٹ فارم نمبر ۱۴ اور ۱۵ کو خاص مرمت کرنا	۵۰۰۰۰	۱۱۰۰ "
۷	لاہور میں ایل۔ ایل۔ بی آفس کے سامنے فرش بنانا اور سڑک کی خاص مرمت کرنا	۲۵۰۰۰	۵۰۰ "

(ب) مکمل تفصیل اور جملہ شرائط ذیل میں دستخط کنندہ کے دفتر میں دیکھی جا سکتی ہیں

(۲۸-۸-۵۲) ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ لاہور

خالص سونے کے زیورات کا واحد مرکز
شاہی
فون
جیولرز
۴۳۴۳
۴۷ انارکلی لاہور سے خریدیں